یااللہ مدد

خلافت راشدہ

حق چار یار

محقق العصر حضرت مولانا عبد الجبار سلفی حفظہ اللہ کے گراں قدر علمی مضامین کا مجموعہ بنام

از افادات

حضرت مولانا عبد الجبار سلفی حفظہ اللہ

مرتب

طاہر گل دیوبندی عفی عنہ

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

واٹس ایپ رابطہ نمبر:03428970409

فہرست مضامین

آغا جواد نقوی کا درس وحدت / نئے شکاری کا پرانا جال

چند روز قبل جمعیت علماء اسلام میں معروف بلوچی سیاست دان اسلم رئیسانی کی شمولیت کی تقریب منعقد ہوئی تو اس پر جامعہ عروۃ الوثقیٰ لاہور کے منتظم معروف شیعہ راہنما جناب آغا جواد صاحب نقوی کا ایک ویڈیو کلپ دیکھنے کو ملا جس میں نقوی صاحب اپنے مخصوص لب ولہجہ میں تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"جمعیت علماء اسلام چونکہ علماء کی جماعت ہے تو اس لئے ہم مولانا فضل الرحمن صاحب کو ان کی جماعت میں ایک "بڑے عالم دین" کی شمولیت پہ مبارک باد پیش کرتے ہیں۔"

ہمیں اس پھبتی پر ذرا برابر بھی تعجب نہیں ہوا کیونکہ نقوی صاحب جس مکتب فکر کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اس قسم کی پھبتیاں، تعلیاں، مسخرے، اور تبرے اس مکتب کی بنیادی اور اہم تربیتی امور میں شامل ہیں۔ اگر وہ مولانا فضل الرحمن صاحب سے کہیں بڑے لوگ یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اپنے بڑوں کی اقتداء میں اس سے بڑھ چڑھ کر بھی مسکے لگائیں، تو کوئی تعجب نہیں ہو گا۔ کہ یہ ان کا مذہبی شعار ہے۔ اور ان کے اسلاف منہ نہیں بلکہ پیٹ بھر بھر کر سوقیانہ تحریروں اور تقریروں سے اپنا شیعی گھاٹ آباد کر کے قبروں کا رزق بن گئے۔ اور آج جناب نقوی صاحب بھی ماضی کی ان اپنی تبرائی عظمتوں کے سہارے حال کے ولولوں میں مست و مگن مستقبل کے سہانے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور انہیں دیکھتے رہنا چاہئیں کہ یہ ان کا مذہبی حق ہے خواہ ان کے افکار سے کسی دوسرے کو کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ مگر نقوی صاحب گزشتہ چند سالوں سے جو وحدت امت کا ڈھنڈورہ پیٹ رہے ہیں، ان کی حالیہ تقریر نے کم از کم اس تقیہ وحدت کو ناتجربہ کار ناچنے والی طوائف کی قمیص کی طرح سر مجلس تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔ جواد نقوی صاحب کی بپا کردہ ان وحدت امت کی تقاریب میں کچھ بے حس، سنی غیرت سے محروم اور دنیاوی حقیر مفادات کے حریص لوگ بھی اپنے اپنے جوتے گھر بھول کر شاداں و فرحاں شریک ہو رہے ہیں۔ جن میں جہاں بعض مدارس کے مہتممین، مساجد کے آئمہ، پیران بے عقل اور مشائخ بے بصیرت اور شہرت پسند واعظین و نعت گو شامل ہیں وہاں کچھ سادہ طبع اور بھوسہ بھرے دماغوں والی

بزرگ نما شخصیات بھی شامل ہیں۔یوں محسوس ہو رہا ہے کہ سنی قوم کے ان نااہل، چلتے پھرتے لاشے، نظریاتی اعتبار سے گیلی لکڑیاں، اور باہمی رقابتوں میں پہلوانوں کی طرح جوش دکھانے والے مردہ ضمیر لوگوں کے باعث اب سنیت کے تینوں مکاتب فکر یعنی دیوبندی بریلوی اور اہل حدیث رافضی بھیڑیوں کے کامیاب شکار گاہ بن چکے ہیں۔

ہائے کیا زمانہ تھا جب اہل سنت کے مایہ ناز محدث حضرت امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے عمرو بن ثابت نامی راوی کا جنازہ آتے دیکھ کر اپنی مسجد کے دروازے بند کر لئے تھے اور نماز جنازہ میں یہ کہہ کر شرکت سے انکار کر دیا تھا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیا کرتا تھا لہذا میری سنی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس کا جنازہ پڑھوں۔

حنفیت کے شہرہ آفاق محدث علامہ بدر الدین العینی رحمہ اللہ (مصنف عمدۃ القاری) نے وصیت کی تھی کہ میری تدفین جامعۃ الازہر مصر کے احاطہ میں مت کرنا کہ اس کی زمین کی خریداری میں رافضیوں کا چندہ شامل کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین بلخی متوفی 455ھ بلخ کی مرکزی جامع مسجد میں جمعۃ المبارک کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔بلخ کے حکمران قلی خان نے شکوہ کیا کہ آپ تفریق بین المسلمین کا سبب بن رہے ہیں کیونکہ آپ کی وجہ سے بے شمار لوگ ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لیتے ہیں اور نماز جمعۃ المبارک ادا نہیں کرتے۔تاریخ کہتی ہے کہ حضرت نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا* جامع مسجد کا امام رافضی ملعون ہے لہذا ہماری اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی امام جمعۃ المبارک کو طلب کیا گیا، اس نے حلفاً کہا کہ میں سنی العقیدہ ہوں۔اور حضرت بلخی کو اس تہمت کی سزا ملنی چاہئے۔حضرت خواجہ نظام الدین بلخی کی روحانی طاقت اور غیرت سنیت نے انگڑائی لی اور فرمایا کہ اس امام کے جوتوں کی سلوائی کھولی جائے اگر اس کا رافضی ہونا ثابت نہ ہوا تو میں اپنے دعوے میں کاذب ہوں گا۔چنانچہ امام کے موزے اتروا کر ان کے تلوے کھلوائے گئے تو اندر سے حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے مقدس اسماء برآمد ہو گئے۔یہ منظر دیکھ کر بادشاہ اور رعایا سبھی ہکابکا رہ گئے۔مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ متذکرہ رافضی امام کو اسی وقت بادشاہ نے تہہ تیغ کروادیا۔جو سنیت کے روپ میں رفض پھیلا رہا تھا۔

برصغیر پاک وہند کے علماء اہل سنت کسی بھی دور میں دفاع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تردید رفض کے محاذ سے غافل نہیں ہوئے۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا پورے کا پورا خاندان ساری زندگی علمی و

دعوتی رنگ میں رفض کی بیخ کنی کرتا رہا۔ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنی مبارک زندگی کے ایک ایک سانس کے عوض مناظرے اور مباہلے کئے۔ کتابیں لکھیں، رسائل شائع کئے، نامساعد حالات میں متحدہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں تن تنہا لمبے لمبے سفر کر کے تبلیغی جلسے کئے۔ اور اپنی جہود شاقہ سے مولانا عبدالستار تونسوی، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، مولانا دوست محمد قریشی، سردار احمد خان پتافی، علامہ احمد شاہ چوکیروی، مولانا محمد نافع، علامہ ڈاکٹر خالد محمود، مولانا محمد شفیع سنکھتروی اور مولانا بشیر احمد پسروری جیسے لوگوں کو میدان عمل میں اتارا۔

رئیس المناظرین ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے فرزند دل بند قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا ایک ایک منٹ سوچ سمجھ کر رافضیت کے پیچ و خم کے جائزوں میں گزار کر سنیت کی خدمت کی۔ مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا جگر نکال کر رکھ دیا اور اس راہ میں سنی نوجوانوں کے گرم خون سے زمین سرخ کر کے رکھ دی۔ مگر آج مردہ ضمیر بعض سنی جواد نقوی جیسے مکار اور شاطر رافضی کی دعوتیں اڑاتے پھر رہے ہیں اور اپنے اس خسیس طرز عمل سے باور کروا رہے ہیں کہ ہمارے اسلاف بلاوجہ نفرتوں کے بیج بوتے رہے۔ اور سنی وشیعہ کے مابین غلط فہمیاں پھیلاتے رہے۔ وگرنہ درحقیقت تو یہ دونوں طبقے ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ اثنا عشریوں کی تکفیر پر علماء امت کا اتفاق ہے۔

اور تازہ صورتحال یہ ہے کہ راولپنڈی کے ایک ادارہ "غفران" کے متولی مولانا محمد رضوان مضامین اور کتابیں چھاپ رہے ہیں کہ رافضیت کے خلاف فتویٰ تکفیر بے اصل اور غیر محققانہ ہے۔ اس واضح جہالت اور بغاوت کے خلاف سنی علماء کو حرکت میں آجانا چاہئے تھا اور دینی مدارس یا جماعتوں کے ترجمان رسالوں میں اس کے خلاف بھرپور تردیدی مضامین آنے چاہئے تھے۔ مگر اس وقت سوائے ماہنامہ حق چار یار لاہور کے فی الحال کوئی متوجہ ہوتا نظر نہیں آرہا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں سنی عوام کو بیدار ہونا پڑے گا۔ اور سنی مساجد کی انتظامی کمیٹیوں کو چاہیے کہ اگر ان کی مسجد کا امام یا خطیب ایسے رافضی پروگرام میں شریک ہو تو وہ اسے بلا تامل معزول کر دیں۔ جو مخیر اور متمول لوگ اپنی اعانت مالی سے دین کی خدمت کرتے ہیں۔ انہیں چاہیئے وہ ایسے مدارس اور علماء کے تعاون سے دست کش ہو جائیں جو سنی غیرت کا جنازہ اپنے مکروہ کاندھے پہ لادے پھرتے ہیں۔ اور سنی

مریدین اپنے ان مشائخ کے حلقہ ارادت کو خیرباد کہہ دیں جو روافض کی پشت پناہی کرنے میں ہلکان ہوئے پھرتے ہیں۔اور ہماری یہ درخواست اہل سنت کے تینوں مکاتب فکر کے عوام سے ہے کہ وہ اپنی حمیت کو بروئے کار لاکر اس ڈوبتی کشتی کو ساحل سلامتی پر لانے میں اپنا کردار ادا کریں۔جو علماء حق اس میدان میں سینہ تان کر کھڑے ہیں وہ ان کے دست و بازو بن کر اللہ تعالی کے ابدی اور سچے دین کی حفاظت کے لئے سرگرم ہو جائیں۔وگرنہ ہم سب اس اجتماعی جرم کے ارتکاب میں ملوث قرار پاکر عنداللہ و عندالاسلاف قابل مواخذہ ٹھہریں گے۔

اللہ تعالیٰ اہل السنت والجماعت پر اپنا رحم فرمائے اور ہمیں اکابرین امت کے روشن چراغ جلائے رکھنے کی توفیقات نصیب فرمائے، آمین اللھم آمین۔

(لاہور بتاریخ 21 دسمبر 2022ء بوقت شب 12:30)

غفرانی ادارہ کی وضاحت / الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

کم و بیش دو سال قبل ادارہ غفران راولپنڈی کی ایک 9 رکنی ٹیم نے اپنے رسالہ "التبلیغ" میں تکفیر رفض کے موضوع پہ مضمون شائع کیا تھا۔ جس کے جواب میں ہم نے دس سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ متذکرہ ادارہ کے میر مجلس مولانا محمد رضوان صاحب کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ کامل دو سال کے سکوت کے بعد ان حضرات نے ہمارے ان سوالات کے بزعم خویش سوالات کے جوابات کے طور پہ ایک مضمون اپنی مطبوعہ کتاب بنام "علمی و تحقیقی مسائل جلد 18" میں میں شائع کر دیئے۔

اس پر ہم نے اپنی جماعت تحریک خدام اہل السنت والجماعت کے ارباب حل و عقد کی منشاء پر ماہنامہ حق چاریار لاہور میں جوابی سلسلہ شروع کر دیا ہے جس کی قسط نمبر 4 اب زیر طبع ہے ہم اہل علم سے کھلے دل کے ساتھ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ماہنامہ حق چاریار اور ماہنامہ التبلیغ کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ فریقین کا موقف ملاحظہ فرما کر کوئی رائے قائم فرمائیں۔ کیونکہ کسی ایک ماہنامہ کا یک طرفہ مطالعہ منصفانہ رائے دینے کے لئے ناکافی ہو گا۔

اس کا ملخص یہ ہے کہ غفرانی ادارہ کے احباب نے صراحت کے ساتھ اثناعشری رافضیوں کے متعلق اکابرین امت کے صدیوں پہ مشتمل فتوے کو بے وزن کرنے کی ظالمانہ روش اختیار کی ہے۔ ہماری طرف سے یہ موقف پیش کیا جا رہا ہے کہ متذکرہ ادارہ اور اس کے میر مجلس شیعہ مذہب اور تردید شیعیت پہ اکابرین ملت کی تصنیفات کے مطالعہ اور دونوں مذاہب کے مابین علمی موازنہ کرنے کی صلاحیتوں سے بالکل سو فیصد عاری اور محروم ہیں۔ فلہذا ان لوگوں کا علمی سدباب نہ کرنا دراصل اکابرین ملت کی روشن خدمات کا انکار کرنے اور رافضیت جیسی خطرناک اسلام دشمن تحریک کو سپورٹ کرنے کے مترادف ہے۔

دو دن قبل سوشل میڈیا سے جاری ہونے والے ہمارے ایک مضمون بعنوان "آغا جواد نقوی کا درس وحدت / نئے شکاری کا پرانا جال" نشر ہوا تو اس کے جواب میں ایک وضاحت نامہ ادارہ غفران کی طرف سے

گردش کرتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ جس میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ عبد الجبار سلفی کی طرف سے کذب بیانیوں کے ذریعہ سے ہمارے خلاف اور اپنی حمایت میں لوگوں کو اکسانے کی تحریک ہو رہی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ الزام بلکہ تہمت بذات خود بہت بڑی کذب بیانی سے مملو ہے۔ ہم اسلاف امت جیسے انفاس متبرکہ کے مبنی بر دیانت فتوی، عظمت صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شرعی عظمتوں کی حفاظت اور رافضی عزائم کے قلع قمع کرنے کے ارادہ سے اپنی آراء آج سے نہیں بلکہ ایک مدت سے پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس نیک مقصد کے لئے ہمیں نہ کسی کے ردّ و قبول کی پرواہ ہے اور نہ ہی کسی سے داد و تحسین لینے کا شوق دامن گیر ہے۔ اللہ تعالی کے ابر کرم سے ہم اس شغل سے ناآشنا ہیں۔ ہم نے کسی فرد، جماعت یا طبقہ کو ناجائز امر پہ نہیں اکسایا۔ البتہ بھرپور اور دبنگ انداز میں دعوت فکر دی ہے۔ کیونکہ ہماری ثقہ معلومات کے مطابق ایران و شام کے حالیہ اندرونی خلفشار کے بعد اسلامی ممالک میں رافضیت کے خلاف ماضی کے اہل علم کی آراء و فتاوی کی اہمیت ختم کرنے کے لئے بڑے پیمانہ پر بجٹ مخصوص کیا گیا ہے جس کے بل بوتے پہ ایک طرف نام نہاد سنی علماء کو شیعی مراکز میں مدعو کر کے اور دوسری جانب بے علم اور مادہ پرست مفتیوں کے سستے داموں فروخت ہونے والے فتووں کی مدد سے ایک نیا نقشہ ابھار کر شیعیت کے دفاع کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ہم بلا تحقیق ادارہ غفران کو اس شیعی سازش کا آلہ یا لقمہ تر نہیں کہتے۔ کیونکہ علمی تبادلہ خیالات میں تہمتوں اور الزامات کا کوئی گزر لائق تسلیم نہیں ہوتا۔

مگر اتنا ضرور سمجھتے ہیں کہ ان ناگفتہ بہ حالات میں اثنا عشریوں کے متعلق ایک طے شدہ اصول کو یکسر انداز کر کے عدم تکفیر پہ واویلا کرنا اس حالیہ رافضیانہ منصوبے کو تقویت بہر صورت دے سکتا ہے لہٰذا ہم ایک بار پھر بلکہ بار بار اپنا یہ مطالبہ دہرائیں گے کہ اس موضوع کے معالجین خاص میدان عمل میں اتریں اور ہمہ تن لطف و محویت کے ساتھ اس احمقانہ اور مداہنت فی الدین سیلاب کا رستہ روکنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اگر آج کے ناقدر شناس لوگوں کے ہاتھوں زعمائے ملت کے دینی جواہر ریزے یوں ریڑھیوں اور فٹ پاتھوں کا مقدر بن گئے تو پھر خاکم بدہن نہ کسی کا مدرسہ بچ پائے گا اور نہ کوئی خانقاہ! ارباب ذی وقار۔ ماہنامہ "حق چاریار" لاہور اور ماہنامہ "التبلیغ" راولپنڈی کا ضرور تقابلی مطالعہ فرمائیں۔ اور پھر اپنی قبر حشر سامنے رکھ کر فیصلہ صادر فرمائیں کہ

متشدد متشدد کی غیر عاقلانہ رٹیں لگا کر تلبیسات کرنے والے کون لوگ ہیں اور تسلسل امت کے چراغ لے کر اس اندھیر نگری کے گلی کوچوں کو روشن رکھنے کا خواہشمند کون ہے؟

سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا

(لاہور، بتاریخ 24 دسمبر 2022ء بوقت صبح 9:00 بجے)

وحدت امت یا مردہ ضمیروں کا قبرستان؟

جناب آغا جواد نقوی صاحب کی کراچی میں بپا کردہ "وحدت امت کانفرنس" میں ایک بار پھر دیوبندی بریلوی اور اہل حدیث مکاتب سے تعلق رکھنے والے مردہ ضمیر اور نام نہاد سنی سر اٹھا کے شریک ہوئے ہیں چنانچہ مسلک اہل حدیث کے ایک بزرگ عالم مولانا عبد الغفار صاحب روپڑی نے چہک چہک کے اپنی بپتا سناتے ہوئے کہا کہ

"میں اور آغا جواد نقوی صاحب لاہور سے ایک ہی فلائیٹ سے کراچی اترے ہیں۔ اور انہوں نے جب وحدت امت کانفرنس میں آنے کی دعوت دی تو میں نے بسر و چشم قبول کر لی اور یہ میرے لئے سعادت ہے"

مسلک اہل حدیث کے ایک قدیمی خانوادہ کے یہ کوزہ پشت بزرگ اس قدر لہک لہک کے ایک شاطر رافضی کی مدح سرائی کر رہے تھے کہ ان کی دینی غیرت گویا کسی جنس خبیث کی بانہوں میں اٹک کر رہ گئی ہو اور وہ خود کسی برگ آوارہ کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھر رہے ہوں۔ مسلک اہل حدیث ہی کے ایک دوسرے بزرگ جو خیر سے "سید اور شاہ" کے لاحقہ و سابقہ سے معروف ہیں یعنی مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بھی کل کی کل متاع دینی اپنی جناح کیپ میں لپیٹ کر رافضیوں کی نام نہاد وحدت کانفرنس پہ نچھاور کر آئے۔ جب کہ دیوبندی کہلوانے والے سب سے زیادہ مُردہ و بے حس نکلے۔ چنانچہ منظر الحق تھانوی شکل کے ایک مولانا نما صاحب کی آنکھیں دشمن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حسن تقیہ پرور پہ اس قدر للچائیں کہ انہوں نے کہا

"میں آج سے جناب آغا صاحب جواد نقوی کو اپنا امام مانتا ہوں"

روشنیوں کے شہر میں منعقدہ اس "وحدت امت کانفرنس" میں ان بے ضمیر و بے حس اور سنی غیرت و عزت سے کُلی طور پہ محروم لوگوں کی باتیں سن کر یوں لگ رہا تھا جیسے کرہ ارض پر "اہل سنت" نام کا کوئی طبقہ موجود نہیں۔ واقعی مردہ ضمیری کس قدر خوفناک ہوتی ہے کہ ہنستے بستے کروڑوں انسانوں کے درمیان گنتی کے چند بے ضمیر لوگوں کی نحوست سبھی کو "قبرستان آشنا" کر دیتی ہے۔ اس وحدت امت کانفرنس میں "جماعت اسلامی"

کی مرکزی قیادت بھی شریک ہوئی ہے اور انہیں شریک ہونا چاہیے تھا۔ ان سے ہمارا کوئی گلہ نہیں بنتا۔ کیونکہ ایران میں خمینی صاحب کے رافضیانہ انقلاب کے بعد پاکستان میں سب سے زیادہ رفض کے لئے زمین زرخیز کرنے والی یہی جماعت تھی۔ اسعد گیلانی صاحب نے تو نصراللہ عزیز کی معاونت سے خمینی صاحب کی کتاب "الحکومة الاسلامية" کے عربی ایڈیشن کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔ اور باقاعدہ جماعت اسلامی کی جانب سے وسیع پیمانے پر اس کی اشاعت بھی کی گئی تھی۔ اور اس ضمن میں جماعت کے بعض ذمہ داران نے اس وقت کے امیر جماعت میاں طفیل محمد مرحوم کو خطوط بھی لکھے تھے کہ جماعت اسلامی کیوں شیعیت کے ہاتھوں نیلام کر دی گئی ہے؟ اور یہ جماعت ویسے بھی ہر گمراہ فرقے کو اپنا "سسرال" سمجھتی ہے۔ کسی زمانہ میں بزرگ سیاست دان ولی خان نے ایک ظریفانہ جملہ کَسیے ہوئے کہا تھا کہ

"جماعت اسلامی حق وباطل کے مابین ایک معیار کا نام ہے یعنی جس طبقہ کی جانب اس جماعت کا جھکاؤ ہو گا وہ سو فیصد باطل پہ ہو گا"

جناب آغا جواد صاحب نقوی کے دائیں بائیں منڈلانے والی یہ اہل سنت کی "کالی کالی بلائیں" کیا وضاحت کر سکتی ہیں کہ رافضیت و اہل سنت کے درمیان یہ وحدت کے ٹانکے لگانے کے لئے خاندان شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ آگے کیوں نہیں بڑھا؟ وابستگان دار العلوم دیوبند کیا اس وحدت کے جذبات سے محروم تھے؟ مولانا احسان الٰہی ظہیر مرحوم اور بریلوی مکتب کے ماضی قریب کے جید علماء کرام نے بجائے یہ وحدت کا پنسار خانہ کھولنے کے ان کی تردید میں کتابیں کیوں لکھیں؟ مباحثے کیوں کئے؟ تحریکیں کیوں چلائیں؟ کیا آج جناب نقوی صاحب نے اپنا "عقیدہ امامت" ترک کر دیا ہے جسے اکابرین اسلام نے متصادم عقیدہ ختم نبوت قرار دیا؟ کیا ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدس و معنبر کفن کھینچ کھینچ کر تفرقے ڈالنے کی روش ترک کر دی ہے؟ آج اہل سنت مقدسات کے ادب کا جھانسہ دے کر ہمارے ان بزرگوں کو اپنے دستر خوان کے ٹکڑے ڈالنے والے جناب نقوی صاحب نے کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین و تکفیر پہ زندگیاں تج دینے والے اپنے امامیہ اسلاف سے اعلان برات کر دیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر آپ "وحدت امت" کا شوق پورا کرنے کے لئے اہل سنت کے سواد اعظم کو مجتمع کرنے پہ اپنا لہو پسینہ صرف کیوں نہیں کرتے؟ آج ایک رافضی شاطر کے ساتھ ایک جہاز میں سفر کر کے خوشی سے بغلیں بجانے والے امام اعظم علی الاطلاق سیدنا

ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام سن کر تو اپنی آنتیں باہر نکال بیٹھتے ہیں۔ بریلوی حضرات پہ شرک شرک کے پہاڑوں پہ پہاڑے پڑھ ڈالتے ہیں۔ علمائے دیوبند کے تذکرے سن کر ان کے چہرے زرد پڑ جاتے ہیں۔ تھانوی کی نسبت لگانے والے یہ صاحب جو شاید اپنے ہی ہم مسلک اکابرین کی ایک جماعت کا نام سننا بھی پسند نہ کرتے ہوں۔ مگر آج وہ ایک دشمن صحابہ رافضی کو اپنا "امام" بنانے کا فخریہ اظہار کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ وحدت امت کانفرنس کے نام سے افکار اہل سنت کا قبرستان بننے جا رہا ہے۔ ہم ایک بار پھر درد دل کے ساتھ عوام کو خبردار کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ اپنا مالی تعاون ترک کر دیں۔ ان کی مسجدوں کی امامت کا کھلا بائیکاٹ کر دیں۔ ان کی ہر ممکن بھرپور حوصلہ شکنی کریں اور اصلاح کے جذبوں سے ہر وہ طریقہ اپنائیں جس سے ان کی واپسی ممکن ہو سکے۔ روافض کے ساتھ وحدت کے سہانے سپنے دیکھنے والے یہ مردہ ضمیر لوگ دراصل امت مرحومہ کے دل و دماغ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بچی کھچی محبت کا رشتہ بھی نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔ اور بس! اس سے زیادہ ان کے کوئی مقاصد نہیں ہیں۔

دیکھو تو دل فریبیٔ انداز نقش پا   موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

(لاہور، 13 جنوری 2023ء قبل از نماز جمعۃ المبارک)

شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا سر اونچا

مورخہ 13 جنوری 2022ء کے روزنامہ جنگ میں جناب بلال الرشید کا کالم شائع ہوا ہے، گزشتہ کئی دنوں سے فاضل کالم نگار دنیا کی بے ثباتی، فکرِ آخرت اور دینِ اسلام سے متعلقہ حوصلہ افزا کالم لکھ رہے تھے، جس کی بنا پہ بندہ ان کا کالم پڑھ کر ساتھ ہی اپنی رائے ان کو ان کے وٹس ایپ پہ سینڈ کر دیتا تھا، اور رائے سے مطلع ہو کر وہ فوراً شکریہ وغیرہ کا جوابی پیغام بھی اِرسال کر دیتے تھے، ان کے اس اَخلاقی تقاضوں سے آشنا طبیعت نیز دینِ اسلام سے فطریم محبت اور پھر الحاد کے تھپیڑوں میں دفاع دین کے جذبات سے کاتب السطور کے دل میں ان کی محبت پیدا ہو گئی تھی، مگر آج اچانک جب حسبِ معمول صبح کا اخبار دیکھا تو موصوف کا کالم پڑھ کر قلبی صدمہ پہنچا کہ ہمارا یہ جوان بھائی ماضی بعید میں پیدا ہو جانے والی ایک غلط فہمی کی بنا پہ اغیار کی پیالی میں بپا کردہ طوفان کی نذر ہو گیا، کاش وہ یہ کالم شائع کروانے میں عجلت کا مظاہرہ نہ کرتے اور بھرپور تحقیق و تشفی کے بعد قلم اٹھاتے تو شاید ان کے کالم میں ضرورت سے زیادہ جذباتیت، حقائق سے ناواقفی کی ظاہر ہوتی سبکی، اور بے جا رسمی قسم کی خود اعتمادی نہ چھلکتی۔

فاضل کالم نگار نے ایک بار پھر دین بیزار لوگوں کے اٹھائے ہوئے عنوان "ملّا و مسٹر میں تفریق" کے متشدّدانہ فلسفے کو اپنے قلمی چھانٹوں سے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے، مگر وہ بھول گئے کہ مردہ گھوڑے چھانٹوں سے کبھی زندہ نہیں ہوتے، فاضل کالم نگار نے شیخ الاسلام، شیخ العرب وَالعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے متعلق علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے فارسی اشعار کو دہرایا ہے اور بے اکرامی و تحقیر کے لہجے میں حضرت شیخ مدنی کا تذکرہ کیا ہے، ہم خدانخواستہ فاضل کالم نگار کی جناب سے شیخ مدنی کی عزت و احترام کی بھیک مانگنے کے جذبہ سے یہ سطور نہیں لکھ رہے، اور نہ ہی شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی رفیع المرتبت ہستی کو دیمک زدہ لاٹھیوں کا سہارا لے کر عزتیں پانے کی کوئی حاجت ہے، مگر تاریخی حقائق سے آگاہ کرنا ہمارا حق ہے، اسلاف کی پگڑیوں کی حفاظت کرنا ہمارا فرض بھی ہے اور قرض بھی!

یہ سطور پڑھنے کے بعد اگر فاضل کالم نگار کی رائے سے پیدا شدہ شُبہات زائل ہو جاتے ہیں، تو ہماری کامیابی ہے اور بالفرض زائل نہیں ہوتے تو بھی ناکامی کا کوئی سوال نہیں کیونکہ آفتاب نصف النہار کو اپنی اَن گنت کِرنوں کا وجود منوانے کے لئے کسی کے دفاع کی ضرورت نہیں ہوتی،

فاضل کالم نگار نے اقبال مرحوم کے جن اشعار کو پیش کیا ہے پہلے ذرا اُن کا شانِ وُرُوُد پڑھ لیجئے کہ ان کے تخیل کا پرندہ شیخ مدنی علیہ الرحمہ کی کس بات پہ پھڑ پھڑ ایا تھا؟

یہ 8 جنوری 1938ء کی ایک شب تھی کہ دہلی کے صدر بازار کے ایک بڑے اجتماع میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے خطاب فرماتے ہوئے کہا تھا کہ

"قومیں موجودہ زمانے میں اَوطَانُ سے بنتی ہیں، نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں"

اگلے روز بعض مسلم لیگی اخبارات میں اس بیان کو غلط انداز میں شائع کیا گیا کہ مولانا مدنی کہتے ہیں

"قومیت وطن سے ہوتی ہے مذہب سے نہیں ہوتی"

ان اخبارات میں روزنامہ "اَلْاَمَان" اور "احسان" وغیرہ پیش پیش تھے، پھر ایک شورش بپا ہو گئی، اور ہر طرف سے آوازے کَسے جانے لگے کہ اب جبکہ کلمہ طیبہ کی بنیاد پہ الگ مملکت کے حصول کے لئے تقسیمِ ہند کی جدوجہد چل رہی ہے تو مولانا مدنی فرماتے ہیں کہ مذہب کے نام پہ تو قوموں اور ملکوں کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کہ جب زہریلی ہوا چلتی ہے تو وہ چیونٹیوں کی بلوں میں بھی گھس جاتی ہے، چنانچہ علامہ اقبال مرحوم، جو ان دنوں بسترِ علاَلَت پہ تھے بھی اس افواہ سے متاثر ہو گئے اور انہوں نے حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی ہجو میں تین فارسی اشعار کہہ ڈالے، وہی اشعار ہمارے فاضل کالم نگار بھائی نے اپنے کالم میں درج کئے ہیں یعنی

عجم ھنوز نہ داند رموز دیں ورنہ	ز دیوبند ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است	چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست	اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اقبال مرحوم نے یہ اشعار اس قدر جوش وعُجلت اور جلدی میں کہے تھے کہ عالَمِ اسلام کے اتنے بڑے باکمال اور دانا و کہنہ مشق شاعر کو خواجہ حافظ شیرازی کے دِیوَانُ سے ان کی ایک غزل کی زمین، بحر و قوافی اور انداز مستعار لینا پڑا، یعنی

حسن زبصرہ بلال زحبش صہیب از روم زخاک مکّہ ابو جہل ایں چہ ابو العجبی است

بہر کیف اخبارات و جرائد میں جانبین سے بیان بازی شروع ہوگئی، اُدھر اقبال مرحوم کے ہم خیال اور اِدھر شیخ مدنی علیہ الرحمہ کے عقیدتمند، اور پھر علمی بنیاد پہ پیدا ہونے والے ایک اشکال کو اس دَور کے کم ظرف مسلم لیگیوں نے خوب اُچھالا اور نت نئے انداز میں سفر شرارت کی اگلی منزلوں کی جانب جادہ پیما ہوگئے، اس زمانہ میں حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عاشق زار مولانا سید عزیز احمد قاسمی (متوفی 1409ھ) کا ایک شعر بہت مشہور ہوا تھا

خموش شاعر گستاخ قدر خوش شناس زحد خویش گزشتن کمال بے ادبی است

اس دوران حضرت شیخ مدنی علیہ الرحمہ نے اپنے بعض خطابات میں اشتعال کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اپنے کلمات کی وضاحت بھی فرمائی جیسا کہ مکتوبات شیخ الاسلام" کی جلد نمبر 3 کے صفحہ 125 پہ ہے

"کیا یہ انتہائی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ملّت اور قوم کو سر اقبال ایک قرار دے کر ملت کو وطنیت کی بنا پر نہ ہونے کی وجہ سے قومیت کو بھی اس سے منزہ قرار دے رہے ہیں؟ یہ بوالعجبی نہیں ہے تو کیا ہے؟ زبان عربی اور مقام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بے خبر ہے؟ میں نے اپنی تقریر میں لفظ قومیت کا کہا تھا، ملّت کا نہیں کہا ہے، دونوں لفظوں میں زمین و آسماں کا فرق ہے، ملت کے معنی شریعت اور دین کے ہیں، جبکہ قوم کے معنی عورتوں اور مردوں کی جماعت کے ہیں"

اسی دوران حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کا ایک مقالہ اخبار "مدینہ" بجنور میں بابت 13 اپریل 1938ء کو چھپا جس میں انہوں نے حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی اس قدر بے باکانہ وکالت کی کہ سلسلۂ مکر و فریب کے گھروندے پاش پاش ہوگئے، مولانا ندوی نے لکھا تھا

"جناب مولانا حسین احمد مدنی کے سیاسی خیالات سے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو، مگر وہ ان کی شخصی عزت و احترام، علمی فضل و کمال اور تقویٰ اور حُسنِ نیت کی نسبت ایک لمحے کے لئے بھی کوئی خلاف بات گوارا نہیں کی جاسکتی"

اسی دوران ایک معروف شاعر جناب اقبال سہیل کی جوابی نظم نے اڑتے پرندوں کے پَر کتر کر رکھ دیے تھے، اور مخالفین شیخ مدنی اپنی اپنی منڈیروں پہ بیٹھے بیٹھے ہی بے کس کبوتروں کی طرح ایک ایک کر کے ذبح ہونا شروع ہو گئے تھے، کیونکہ اقبال سہیل کی نظم ہر لحاظ سے علامہ اقبال مرحوم کی نظم کا جواب تھی، یہ نظم بیس فارسی اشعار پہ مشتمل تھی اسکا مطلع اور مقطع ملاحظہ کیجئے

معاندے کہ بشیخ الحدیث خردہ گرفت سبک بچشم فروز ایں سباب بے سببی است

کہ گفت بر سر منبر کہ ملت از وطن است دروغ گوئی وایرادایں چہ بوالعجبی است

مقطع یہ تھا

بگیر راہ حسین احمد ار خدا خواہی کہ نائب است نبی را وہم ز آل نبی است

اسی دوران ایک اور شخصیت میدان عمل میں اتری جس نے اقبال مرحوم اور شیخ مدنی علیہ الرحمہ کے مابین پیدا ہو جانے والی اس خلیج کو ختم کروانے کی مخلصانہ کوشش جاری کی، یہ فاضل دیوبند علامہ عبدالرشید طالوت تھے جو ایک جانب حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی زلفوں کے اسیر تھے تو دوسری جانب علامہ اقبال مرحوم کے بے تکلف دوست بھی تھے، چنانچہ ان کے در آجانے کے بعد 28 مارچ 1938ء کے روزنامہ "احسان" لاہور میں بعنوان "ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ" مضمون شائع ہوا جس میں اقبال مرحوم کے یہ الفاظ تھے کہ

"میں مولانا (مدنی) کی دینی حمیت کے احترام میں ان کے کسی عقیدتمند سے پیچھے نہیں ہوں"

اس قسم کی اختتامی بحثیں اپنے انجام بلکہ حُسنِ انجام کو پہنچ رہی تھیں کہ تین ساڑھے تین ماہ بعد علامہ اقبال مرحوم کا انتقال ہو گیا، اور اس کے بیس سال بعد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں جا بسے، جہاں فاضل کالم نگار نے بھی اور آخر کار ہم سبھی نے چلے جانا ہے،

جناب بلال الرشید صاحب!

آپ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی ذات سے، سیاسی موقِف سے اور مذہبی مشرب سے بھلے اختلاف کریں مگر آپ کو ان کی جناب میں توہین آمیز کلمات کہنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس مملکت خداداد میں حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے لاکھوں عشاق سر مست و سر بکف موجود ہیں، اگر آپ یوں بلا غل و غش سنی سنائی باتوں سے اپنے کالم کا پیٹ بھریں گے تو اس سے کچھ دیر آپ کو تسکینِ نفس تو مل جائے گی مگر تسکینِ قلب و جگر نصیب نہیں ہو سکے

گی، آپ بغض وعِناد کے جذبات کو نکال باہر کریں کذب تراش اور تملق پیشہ لوگوں کے بہکاوے میں آنے کی بجائے اگر آپ پوری دیانت داری کے ساتھ ماضی کا مطالعہ فرمائیں اور منصفانہ طبائع کے خدا رسیدہ لوگوں کی صحبت اختیار کریں *تو آپ کو مولانا حسین احمد مدنی کا سر اونچا ہی نظر آئے گا*

جی ہاں! بعینہ جس طرح ان کے اجداد کے سر کربَلا میں اونچے نظر آئے، شیخ مدنی کا سر اونچا تھا، اور اونچا ہی رہے گا، کوئی اس عالم خدا رسیدہ کی گردن پہ کھڑے ہو کر اگر اپنا قد بڑھانے کا شوق پورا کرتا ہے تو کر گزرے مگر اس سے قد نہیں بڑھیں گے، ہاں شیخ مدنی کی عزتوں میں اِن شاءَاللّٰہ اضافے ہی ہوں گے، برادرم بلال الرشید صاحب اگر آپ واقعی ہماری اس مخلصانہ دعوت کو قبول کرتے ہوئے طالبِ تحقیق بننا چاہتے ہیں اور اس قضیہ کا ہمہ پہلوؤں سے احاطہ کر کے اپنی رائے قائم کرنا چاہتے ہیں تو بندہ کے ساتھ آپ رابطہ میں تو ہیں ہی، آگاہ کیجے، کاتب السطور آپ کو اس عنوان پہ کتابوں، رسالوں، اور دیگر ذخائر علمیہ سے آگاہ بھی کرے گا اور ان شاءاللہ کچھ ارسال کرنا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہیں کرے گا، مگر ہاں! یاد رہے کہ فقط اپنی تسکین قلب اور وسعتِ معلومات کی غرض سے ایسا ہونا چاہیے، وگرنہ بہر صورت کہ اہل حرِد دیکھ ہی چکے ہیں کہ کتنے ہی پریشان خیالات اور بودے توّہمات پیدا کرنے والے قبروں کا رزق بن گئے مگر مولانا حسین احمد مدنی کا سر آج بھی اونچا ہے اور اونچے سروں والے جھک جھک کے دوسروں کے پیروں میں عزتیں تلاش نہیں کرتے! والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر وغنا نہ کر　　　کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

(لاہور، بتاریخ 18 جنوری 2022ء)

خطرناک دادوں کے خطرناک پوتے

حال ہی میں پاکستان میں دو ہولناک واقعات یکے بعد دیگرے منظر عام پر آئے ہیں، ایک انسانی جان کے ضیاع کی صورت میں اور دوسرا مقبولانِ بارگاہ الٰہی پر زہر افشانی کرنے کی صورت میں، اور ان میں ملوث دونوں افراد ماضی کی دو معروف شخصیات کے پوتے ہیں، چونکہ دونوں سانحات کا تعلق تشدد، عدم برداشت، تعصب و تعنت، قلّت علم، محرومئ عمل، زوال فہم اور عناد قلبی و مفادات دنیا کے ساتھ ہے، اس لئے ہم زیر نظر تحریر میں ماضی کے معروف دو دادوں کے ان پوتوں کے حوالہ سے کچھ معروضات پیش کریں گے،

(1) صاحبزادہ حامد رضا خان ماضی کی معروف شخصیت مولانا سردار احمد مرحوم گورداسپوری ثم لائلپوری کے پوتے ہیں، ان کا ایک تقریری ویڈیو کلپ گردش کر رہا ہے جس میں لفظ لفظ سے واضح طور پہ بدبو کے بھبکے اٹھتے محسوس ہوتے ہیں، وہ چند دیگر شخصیات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حق نواز شہید آف جھنگ کے متعلق پورے گھبیر کے ساتھ کہتے ہیں ک "ہم نے انہیں جہنم واصل قرار دیا" وغیرہ وغیرہ۔

موصوف کے ان الفاظ سے ٹپکتی جہالت پر تبصرہ کرنا ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ ایک معمولی درجے کا پڑھا لکھا مسلمان بھی جانتا ہے کہ کسی بھی مرحوم مسلمان کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کر کے اسے اپنے خطاب کا حصہ بنانا بالکل غیر شرعی اور تعلیمات دین اسلام کے خلاف ہے، اس لئے ہمیں دنیا سے جانے والوں کے متعلق حُسنِ ظن قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر موصوف اس قدر **تعلی** و تکبر کے ساتھ یہ الفاظ کہہ رہے تھے گویا انہیں تکوینی طور پر جہنم کا ٹھیکہ سونپا گیا ہے، اور پھر یہ الفاظ ایک ایسے عالم دین کے متعلق کہنا کہ جس نے عظمت اصحاب رسول ﷺ کی خاطر سنی ملّت کو بیدار کرنے کا وہ تاریخی فریضہ سرانجام دیا ہے کہ جو رہتی دنیا تک یادگار و لاجواب رہے گا، اور بشمول دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث تینوں مکاتب فکر کے مسلمان اپنے تحفظات و خدشات کا حق محفوظ رکھنے کے باوجود مولانا شہید کے اخلاص و ایثار اور سنی غیرت کے حوالہ سے متفق الخیال ہیں، صاحبزادہ موصوف کا یہ شعلہ نوا خطابی کلپ دیکھ کر ہمیں بریلوی مکتب فکر کے ایک معروف خانوادہ کے عالم دین مولانا محمود احمد رضوی مرحوم کی وہ کیفیت یاد آگئی جو مولانا حق نواز شہید کی اچانک خبرِ شہادت سن کر ان پر

طاری ہوئی ہے اور معاصر نامی گرامی لوگوں نے وہ منظر بچشم خود دیکھا تھا، واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ کسی علمی نشست میں بندہ نے کہا تھا کہ بانی جامعہ حزب الاحناف لاہور مولانا دیدار علی الوری مرحوم کے پوتے مولانا سید محمود احمد رضوی مرحوم بھی دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے کافی حساس اور متحرک مزاج کے مالک تھے، تو مولانا زاہد الرشدی صاحب نے بتایا کہ مولانا حق نواز جھنگوی کی شہادت کی خبر سن کر میں نے اپنی آنکھوں سے مولانا محمود احمد رضوی کو بلک بلک کر اور دیوار میں سر مار مار کر روتے دیکھا ہے (الفاظ کی کمی بیشی کے بشری امکان کے ساتھ نفس واقعہ بالکل یہی ہے، اس لیے مولانا زاہد الراشدی صاحب سے اگر کوئی اس واقعہ کی تصدیق لینا چاہے تو لے سکتا ہے، اگرچہ یہ بات سنے ہوئے ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے مگر ان شاءاللہ وہ اس کی ضرور توثیق کریں گے) اب صاحبزادہ حامد رضا کو کوئی جا کر بتائے کہ بندۂ خدا جس عالم دین کی شہادت پہ مولانا محمود احمد رضوی مرحوم جیسے محدثانہ شان کے مالک انسان پر غم وصدمہ کی یہ کیفیت طاری ہو گی تھی، تو آج آپ جیسے پھکڑ باز اور وضع قطع کے اعتبار سے ایک چرس فروش یا بٹیر باز "بزرگ" کی اس تھتھلاہٹ سے مولانا حق نواز شہید کے کفن کا کیا نقصان ہو گا؟ دراصل یہ وہ قلبی **تعصبات** اور متشددانہ رویے ہیں جو مولانا سردار احمد مرحوم نے اپنی نسل کے خون میں منتقل کئے تھے، مولانا سردار احمد صاحب کو ان کے عبّاق محدث اعظم پاکستان کے لقب عالی سے ملقب کرتے ہیں، موصوف گورداسپور میں پیدا ہوئے تھے، اور قریب قریب کی تاریخ کہتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی، غلام احمد پرویز، یا پھر مولانا سردار احمد مرحوم میں زیادہ تر "گورداسپوریئے" چھیڑا چھیڑی کی عادات میں ہی مبتلا نظر آتے ہیں، مولانا سردار احمد مرحوم قیام پاکستان کے بعد فیصل آباد میں منتقل ہو گئے تھے جہاں وہ ایک مرکزی مسجد ومدرسہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے، اور پھر لائلپور کو ہی انہوں نے اپنا مورچہ بنا کر اپنے مخالفِ فکر یا مخالفِ طبیعت مسلمانوں پر فتوؤں کی گولہ باری کا مشغلہ جاری رکھا، حضرت محدث اعظم پاکستان اس قدر غصیلے اور کڑوے کسیلے بزرگ تھے کہ ایک مرتبہ محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع علیہ الرحمہ کے برادر بزرگ، حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ (فاضل دیوبند و بانی جامعہ محمدی شریف چنیوٹ) فیصل آباد میں حضرت محدث اعظم پاکستان کی زیارت کے لئے تشریف لائے تو انتظار میں بیٹھ بیٹھ کے ہی واپس چلے گئے تھے، کیونکہ مولانا محمد ذاکر و نافع رحمہما اللہ دونوں بھائی دارالعلوم دیوبند میں کسبِ فیض کرتے رہے اور پھر جامعہ محمدی شریف میں انہوں نے دیوبندی و بریلوی دونوں مسالک کے علماء کو مدرسین کے طور پہ

رکھا ہوا تھا، یہ پالیسی محدث اعظم پاکستان کی طبع نازک کو ایسے ہی بے چین کر رہی تھی جیسے آج ان کے پوتے جناب صاحبزادہ حامد رضا کو مولانا حق نواز شہید کا خون ناحق تڑپا رہا ہے، مولانا سردار احمد صاحب مرحوم تو غالباً 1962ء میں انتقال فرما گئے تھے مگر اس کے بعد جب شاہ فیصل مرحوم کے اعزاز میں لائلپور کا نام "فیصل آباد" سے تبدیل ہوا تو ایک سعودی خادم الحرمین الشریفین سے منسوب مذکورہ و موجودہ نام مولانا سردار احمد مرحوم کے عشاق اور عقید تمندوں کے مبارک پیٹ میں "نیلے تھوتھے" کا کام کر گیا یعنی سبھی سراپا احتجاج ہو گئے اور مطالبہ کیا کہ لائل پور کا نام "سردار پور" رکھا جائے، اہلیان فیصل آباد کے اچھے نصیب تھے کہ ارباب اقتدار نے اس پر زور احتجاج کو محض ایک لطیفہ کے طور پہ سنا، اور معقول حکومتی حلقوں میں کوئی شنوائی نہ ہو سکی، مولانا سردار احمد لائل پوری مرحوم اس قدر متشدد مزاج اور گرم طبیعت رکھتے تھے کہ ان کے قریب پڑا برف کا بلاک بھی گیس سلنڈر میں بدل جاتا تھا جو ان کی "موج نفس" کے اثر سے پھٹ کر کہرام مچا دیتا تھا، آج کی نسل مولانا مرحوم کی انوکھی اشتعالی طبیعت کا صاحبزادہ حامد رضا کے روپ میں نظارہ کر سکتی ہے، مولانا سردار احمد لائلپوری کے بیٹے اور حامد رضا صاحب کے پدر گرامی مرحوم صاحبزادہ فضل کریم کی بھی پوری زندگی فرقہ وارانہ انگیٹھیوں میں پھونکے مارتی گزر گئی تھی، اور بالآخر وہ عارضۂ جگر میں مبتلا رہ کر دنیا سے چل بسے، کہتے ہیں لوہے کو لوہا کاٹتا ہے، مولانا سردار احمد مرحوم کی اسی غیر عاقلانہ روِش کا نتیجہ تھا کہ پھر فیصل آباد کی سرزمین پر اللہ تعالی نے مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمہ اللہ جیسے بہادر اور بے باک و نڈر خطیب کو اٹھان دی جنہوں نے اپنی جوشیلی اور مخصوص طرز خطابت سے فیصل آباد کی مٹی میں توحید و سنت اور عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نغموں سے وہ مستی پیدا کر دی تھی جس کا شباب آج بھی اپنے جوبن پر ہے، کوئی نہیں مانتا تو بھلے نہ مانے، مگر یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ آج فیصل آباد میں علماء اہل سنت دیوبند کے مدارس کی فلک بوس عمارتوں، مسجدوں اور خانقاہوں میں مولانا ضیاء القاسمی کے لہجے کی گرج، سینے کی دھمک اور مسلکی غیرت کی چمک شامل ہے، جناب صاحبزادہ حامد رضا صاحب کیا اس پہ غور کرنا پسند فرمائیں گے کہ آج فیصل آباد میں آپ کے دادا جان مرحوم کی متشددانہ کارروائیوں کے نتیجے میں مسلک بریلی کا فکری گراف کیا ہے اور علماء دیوبند کی روحانی، تعلیمی، تبلیغی، فکری اور دعوتی موجیں اچھل اچھل کر کیسے ساحل سمندر سے بار بار ہمکنار ہوتی دکھائی دے رہی ہیں، رہ گئے مولانا حق نواز شہید تو یہ ادھار سہی کیونکہ

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

قائد اہل سنت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تردید رفض و بدعت اور دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسئلہ میں ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے، اور آپ نے اپنی متعدد تحریروں میں غیر معتدل جماعتوں اور ان کے طریق کار سے اختلاف کیا، اور ہم بھی حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کی متعین کردہ راہوں پہ چلنے میں ہی خیر سمجھتے ہیں، مگر اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی حرِّ قیاتیا اور بے مغز اعہدوں کی حرص وہوس سے مغلوب ہو کر ایک شہید ناموس صحابہؓ کی ذات پہ عَف عُف عَف کرتا پھرے، اور روافض کی خوشنودی و چاپلوسی میں حمیت و غیرت کی اپنی آخری پوٹلی تک کو نیلام کر کے رکھ دے، ہم توقع رکھتے ہیں کہ صاحبزادہ موصوف کو ان کے مکتب فکر کے علماء کرام راہِ راست پر لانے میں اپنا کردار ادا کریں گے،

(2) دوسرا ایک ہولناک واقعہ وطن عزیز کے دارالحکومت کے عین وسط میں قتل کی صورت میں پیش آیا، چکوال کے نامی گرامی سیاسی خاندان کی موجودہ علامت اور معروف صحافی جناب ایاز امیر صاحب کے بیٹے شاہنواز نے اپنی بیوی سارہ کو گھریلو تنازع پہ بے دردی سے قتل کر دیا، ایاز امیر صاحب کے اس قاتل بیٹے نے اس سے پہلے دو بیویوں کو طلاق دے رکھی تھی، شاہنواز کی والدہ کے اپنے شوہر سے ازدواجی نشیب و فراز ایک مستقل موضوع ہے، ہم اس بے فائدہ بحث میں نہیں پڑیں گے، انٹرنیٹ پہ بھی اور قومی اخبارات میں بھی مکمل تفصیلات موجود ہیں، جسے پڑھنے والے پڑھ رہے ہیں، ہم یہاں قاتل شاہنواز کے دادا جان چوہدری امیر محمد بھگوالیہ کا ذکر کریں گے، جو اپنے وقت کے ایک نہایت سیاسی متشدد اور تعصب و نخوت سے اٹے ہوئے انسان تھے، 1979ء اور اس سے پہلے 1964ء کے صدارتی انتخابات میں ان کا طوطی بولتا تھا، مال و دولت کی فراوانی کے سہارے انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو عموماً متمول طبقہ کرتا آیا ہے، پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب انہیں چکوال ہی میں نہایت مکروہ اور قابل عبرت حالت میں قتل کر دیا گیا تھا، وجوہات کیا تھیں اور کیا نہیں؟ اللہ ہی جانے! اللہ کریم سب کی پردہ پوشی فرمائے اور اپنی شان ستّاری کے اظہار سے اپنے بندوں پر عفو و کرم فرمائے، ایاز امیر صاحب ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، انتھک سیاستدان اور حالات حاضرہ پہ گہری نظر رکھنے والے مشہور صحافی ہیں، مگر افسوس کہ وہ مذہبی اور اخلاقی طور پر نہایت بھونڈے انداز میں پینے پلانے، جام لنڈھانے، شباب سے اٹکھیلیاں کرنے وغیرہ وغیرہ کی نازیبا

اصطلاحات سے آئے روز مذہب وملت کا تمسخر اڑاتے رہتے ہیں، مولانا سردار احمد لائل پوری کا پوتا صاحبزادہ حامد رضا ہو یا چکوال کے تاریخی قصبہ بھگوال کے امیر محمد بھگوالیہ کا پوتا شاہنواز ہو، ان کا طرز زندگی اور طور واطوار جہاں جانے والوں کی تربیت و اخلاقیات پہ سوالیہ نشان چھوڑ رہا ہے، وہاں موجودہ معاشرہ کے باسیوں سے بھی تقاضہ کر رہا ہے کہ کاش ہم ظلم، بے حسی، غیر انسانی سلوک، تکبر ورعونت، تشدد و تعصب، اور عدم برداشت کے رویوں سے یکسر بغاوت کر کے اپنی نسلوں پہ احسان کر دیں، اگر ہم سب یہ عزم بالجزم کر لیں تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنی لٹی پٹی مخلوق کو ایک بار پھر تھام لے گی، اور اگر ہم جوں کے توں ہی رہنے پہ بضد ہیں تو پھر دیکھتے جایئے اس معاشرہ میں کسی معروف دادا کا پوتا شہید عالم دین کو واصل جہنم کہہ کر فساد پھیلاتا رہے گا تو کسی دوسرے دادا کا پوتا حوا کی بیٹی کو چوزے کی طرح ذبح کر کے فساد فی الارض کا ارتکاب کرتا رہے گا، اعاذنا اللہ منہ!

(لاہور، 27 ستمبر 2022ء)

مولانا محمد سلیم عمر کا سانحہ ارتحال

تحریک خدام اہل السنت والجماعت کے دیرینہ بزرگ کارکن اور قائد اہل سنت کے مشن کے داعی و مبلغ مولانا محمد سلیم عمر چکوال کے قصبہ ڈھڈیال کی ایک بغلی بستی موضع جھبہر میں مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے اناللہ وانا الیہ راجعون آپ ایک باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے مختلف مساجد میں امامت وخطابت کرتے رہے جب کہ پیشہ کے لحاظ سے طبابت کرتے تھے اور اسکول ٹیچری سے ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے تھے مولانا محمد سلیم صاحب کی تین بڑی خوبیاں تھیں

(1) سادگی و قناعت کے ساتھ اپنی جائز آمدن کے مطابق باعزت اور باوقار طریقے سے وقت پاس کرنا

(2) تقوی و پرہیز گاری کا ایسا اہتمام کہ جس میں اپنے تقوی کی بزرگانہ نمائش کا کوئی عنصر نہ دیکھا گیا

(3) ساری زندگی کتاب اور علم کے ساتھ دوستی و تعلق۔

اور اس کے ضمن میں مختلف اہل علم سے روابط رکھنا ان کا خاص ذوق بلکہ مشغلہ تھا شہری سہولیات اور رنگا رنگ اتار چڑھاؤ سے بالکل محروم ایک دور دراز کی دیہاتی بستی میں جدید ذرائع ابلاغ اپنے پاس نہ رکھتے ہوئے بھی ملک بھر سے نئی طبع ہونے والی کتابوں کی معلومات رکھنا، پرانی کتابوں کا کھوج لگانا اور وہ خرید کر آگے بلا نفع اہل ذوق و ضرورت کے ہاتھوں میں پہنچانا ان کا ایک ایسا عمل تھا کہ جس پر وہ پوری زندگی مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہے اس پیرانہ سالی میں اگرچہ مختلف عوارض نے انہیں ایک عرصہ سے دبوچا ہوا تھا مگر ہمت و وابستگیٔ نظریہ کا یہ عالم تھا کہ ذاتی سواری نہ ہونے کے باوجود وہ تحریک کی ضلع بھر میں ہونے والی کانفرنسوں میں جیسے کیسے پہنچ جایا کرتے تھے طبیعت اور اندازِ گفتگو میں فطری سادگی ٹپکتی تھی جو بعض اوقات موجودہ نسلوں کی نزاکت یا عدم تربیت کی وجہ سے آزمائش سمجھ لی جاتی تھی مگر ان کے اخلاص وللّٰہیت اور دوستوں سے رابطہ و تعلق میں کمی نہ آتی تھی وہ محفلوں کی رونق تھے اور کم و بیش 80 سال کی بھرپور زندگی گزارنے کے بعد چلتے پھرتے اپنے اللہ

کریم کے حضور پیش ہو گئے اور یوں محتاجگی و معذوری کے وبال سے اللہ کریم نے انہیں محفوظ رکھا وفات کے بعد چہرے پر وہی خاص طمانیت اور چمک تھی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھنے والوں کے چہروں پر ہوا کرتی ہے فخر اہل سنت امیر مرکزی حضرت صاحبزادہ مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور اپنی بستی کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہو گئے۔ رہے نام اللہ کا...

(مشمولہ ماہنامہ حق چار یار لاہور جنوری 2023ء)

نئیں ریساں ضیاء القاسمی دیاں

مولانا محمد ضیاء القاسمی ایک سیمابی طبیعت کے منفرد خطیب تھے۔ قدرت نے ان کے لہو میں دینی غیرت کی ایسی گرمائش رکھی تھی کہ حفاظت دین کا جب کہیں کوئی معرکہ پیش آتا تو مولانا محمد ضیاء القاسمی بے قرار ہو جاتے۔ اور ان کی بے چین طبیعت اپنا ہدف پانے تک سکون نہیں لیتی تھی۔ وہ اپنے دوستوں کے ایسے بے تکلف دوست تھے کہ ان کی ادائیں بار بار محفلوں میں دہرائی جاتی تھیں۔ جب یاد آیا اور خوب یاد آیا کہ ایک مرتبہ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کے مکان واقع سنت نگر لاہور میں موجود تھے۔ علامہ صاحب انگلینڈ سے تشریف لائے ہوئے تھے اور اس وقت چاک وچوبند اپنا اکلوتا ویسپا اسکوٹر خود چلاتے تھے (اس ویسپا کی شان میں ہم نے مجلہ صفدر کے تاریخی علامہ خالد محمود نمبر میں کچھ سطریں قلمبند کی ہیں)۔ علامہ صاحب جب مکان میں بٹھا کر ایک مسودہ کو مبیضہ کرنے کی ڈیوٹی سپرد کر کے اپنے ویسپا پر اردو بازار تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد مکان میں اچانک ایک گن بردار جوان داخل ہوا اور السلام علیکم کے بعد کہا آپ ذرا باہر آیئے۔ میں جب باہر نکلا تو ایک گاڑی میں مولانا محمد ضیاء القاسمی براجمان تھے۔ خالص فیصل آبادی پنجابی لہجے میں علامہ صاحب کا پوچھا تو میں نے بتایا کہ ابھی اردو بازار تشریف لے گئے ہیں۔ واپسی کا بتا کر نہیں گئے۔ چہرے سے ہلکا سا تفکر ظاہر کر کے مولانا قاسمی صاحب نے اپنا لیٹر پیڈ اٹھایا اور اپنے دستخط کے ساتھ ایک بے ترتیب سی سطر میں کچھ لکھ کر میرے حوالہ کر کے فرمایا "یہ انہیں دے دینا"

قاسمی صاحب روانہ ہو گئے۔ جب علامہ صاحب واپس تشریف لائے اور میں نے انہیں قاسمی صاحب کی آمد کی خبر دی اور ساتھ ہی ان کا دیا ہوا دستی رقعہ حوالے کیا تو علامہ صاحب پڑھتے ہی کھکھلا کے ہنس پڑے اور وہ رقعہ میرے حوالے کر دیا جو آج تک میرے پاس محفوظ ہے۔ قاسمی صاحب نے لکھا تھا

"السلام علیکم علامہ صاحب آپ کو مسئلہ کیا ہے؟ آپ ٹک کر کیوں نہیں بیٹھتے؟

والسلام محمد ضیاء القاسمی"

اس کے بعد علامہ صاحب نے فرمایا کہ قاسمی صاحب اس دور میں میرے انگلینڈ کے معاون ہیں جب وہاں مشائخ بدعت دندناتے ہوئے علماء دیوبند کے خلاف ہرزہ سرائیوں میں مصروف تھے۔ مولانا محمد ضیاء القاسمی نے 1956ء میں جامعہ قاسم العلوم ملتان سے علوم نبویہ ﷺ سے رسمی فراغت پائی تو اسی سال ہی مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کی عقابی نگاہوں نے انہیں تاڑ لیا اور اپنی تحریک تنظیم اہل سنت میں شامل کر لیا۔ اس زمانہ میں ہفت روزہ "دعوت" کے اداریہ میں باقاعدہ مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری مرحوم نے قاسمی صاحب کی تنظیم اہل سنت میں شمولیت پر اظہار مسرت کرتے ہوئے تنظیمی حلقوں کو مبارکباد دی تھی۔ انہیں دنوں علامہ خالد محمود سے سلسلہ رفاقت چلا جو تادم واپسیں قائم رہا۔ بلکہ علامہ صاحب کی خواہش پر ہی قاسمی صاحب سیالکوٹ تشریف لے گئے تھے اور وہاں احاطہ یعقوب کی مسجد میں دو سال خطابت کرنے کے بعد مستقل طور پہ فیصل آباد منتقل ہو گئے اور پھر اگلے پورے چالیس سال فیصل آباد کی سرزمین قاسمی صاحب کی خطیبانہ گھن گرج سے دہلتی رہی۔ 1957ء کے ابتدائی دنوں میں علامہ خالد محمود کی جانب سے ہفت روزہ "دعوت" میں ایک دلچسپ خبر یوں شائع ہوئی تھی۔

"مولانا محمد ضیاء القاسمی جہاں کہیں بھی ہوں وہ یہ اطلاع پڑھ کر علامہ خالد محمود کے پاس سیالکوٹ پہنچ جائیں"

یوں مولانا قاسمی مرحوم کی خطابت اور تبلیغی مہم جوئی کا آغاز تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم سے ہوا۔ اس زمانہ میں بڑے لوگ چھوٹوں کی صلاحیتیں بھانپتے ہوئے ان نرم و نازک پودوں کو گملوں سے نکال کر زمین میں لگاتے اور تناور درخت بنا دیتے تھے۔ شومئ قسمت کہ اب اکثر و بیشتر بڑوں کی ٹھوکروں سے گملے ٹوٹ جاتے ہیں۔ پودے تنکا تنکا ہو کر بکھر جاتے ہیں۔ مگر نہ کوئی اپنے بڑے پن کا مظاہرہ کرتا ہے اور نہ ہی چھوٹے خود کو چھوٹا سمجھ کر اپنی اصلاح کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اسی دوران مولانا قاسمی صاحب نے جمعیت علماء اسلام کے اسٹیج سے اپنی سیاسی پھرتیاں بھی خوب دکھائیں حتی کہ پنجاب کے سیکرٹری جنرل بنا دیئے گئے بلکہ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے اس قدر لاڈلے بن گئے تھے کہ اکثر و بیشتر سفروں میں ہمراہ رہتے۔ پھر جب بدقسمتی سے جمعیت علماء اسلام ڈبل میم اور ڈبل غین میں منقسم ہو گئی۔ کسی دور میں اس اخباری اصطلاح نے بہت شہرت پائی تھی یعنی مفتی محمود کو اختصاراً ڈبل میم اور غلام غوث کو ڈبل غین کہا جاتا تھا اس جوڑی کے ساتھ یہ اصطلاح نرالا لطف دیتی تھی تو جب جمعیت مولانا مفتی محمود علیہ الرحمہ اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کے مابین دو حصوں میں تقسیم ہوئی تو

اب مولانا محمد ضیاء القاسمی مولانا ہزاروی کی شاخ جمعیت پہ چہکنے لگے۔ جبکہ دوسری جانب کی جمعیت نے قاسمی صاحب کے خلاف اپنی توپوں کے منہ کھول دیئے تھے اور بیان بازی کے بیبیوں نے الفت و محبت کی کمر سرخ کر کے رکھ دی۔ یہ مکمل روداد قاسمی صاحب نے اپنی نامکمل مطبوعہ یادداشتوں میں قلمبند کر دی ہے جو *میرے دور کے علماء و مشائخ جنہیں میں نے دیکھا* کے نام سے چھپ چکی ہیں۔ پھر تنظیم اہل سنت کی تقسیم ہوئی تو بھی مولانا قاسمی نے اپنے شخصی وجود کا لوہا منوایا اور ہر محاذ پہ منفرد انداز میں جلوہ نما رہے۔ علامہ عبد الستار تونسوی رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر بھی اپنی خداداد استعداد کے بے انتہا جوہر دکھائے بالآخر کسی انتظامی اختلاف کی وجہ سے جب الگ ہوئے تو حضرت تونسوی کے نام اپنے استعفیٰ میں ایک جملہ ایسا لکھا کہ جس سے ان کی ظرافت اور طبیعت کی شگفتگی نے عجیب مہک پیدا کی یعنی آپ نے تنظیم کو تحریک خدام کا دُم چلہ بنادیا ہے۔ زندگی کے آخری پندرہ سال تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرشار سنی نوجوانوں کی سرپرستی میں گزارنے کے بعد 29 دسمبر 2000ء کو اپنے اللہ کے حضور پیش ہو گئے۔ مولانا قاسمی صاحب وضع داری اور تکلف میں فرق جانتے تھے۔ وہ رکھ رکھاؤ اور رسم دنیا کو نبھانا جانتے تھے۔ وہ ناراض ہونے کے بعد راضی ہونے میں دیر نہیں لگاتے تھے اور کسی کو ناراض کر کے جلد ہی سینے سے لگانے کا بھی بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ مولانا قاسمی فن خطابت کے بادشاہ تھے۔ ان کی تقریر شبنم کے قطروں سے شروع ہوتی تھی جو موسلا دھار بارش برساتے ہوئے اپنے خطیبانہ گولہ و بارود کے مرحلہ پہ آتی تو اس وقت گویا وہ اپنے سامعین کے دلوں اور دماغوں کو اپنی مٹھی میں کر لیتے۔ اور پھر ساتھ ہی جمال کی رعنائیوں کے ساتھ جب خطابت کے شعلوں پہ اپنی شیریں زبانی اور ترنم کی ہواؤں کے جھونکے ڈالتے تو پنجابی بزرگوں کو یہ کہتے سنا گیا° نئیں ریساں ضیاء القاسمی دیاں° فیصل آباد میں جب ان کا جنازہ اٹھا تو ہزاروں افراد نے ان کو والہانہ انداز میں دنیا سے رخصت کیا۔ آج گول جامع مسجد کا بلند و بالا مینار اور جامعہ قاسمیہ کی پر شکوہ عمارت اور ملک و بیرون ملک بسنے والا ہر وہ مسلمان مولانا قاسمی کو یاد کرتا ہے جس نے ان کی منفرد خطابت کا ذائقہ چکھا ہے۔ اور یہ یادیں قیامت کی صبح تک اپنا آپ دہراتی رہیں گی کیونکہ دلوں میں بسنے والے مرنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں

ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالب　　　کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

(بتاریخ 29 دسمبر 2022ء لاہور)

ماہ نامہ لولاک سے تازہ ماخوذہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان ماہ نامہ "لولاک" ملتان بابت جنوری 2023ء کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ جس میں حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم کے سیال قلم سے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی شخصیت و احوال پہ قیمتی مضمون پڑھنے کا موقع ملا۔ حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم نے اپنے طویل محسوسات کے مدوجزر سے جو احوال قلمبند فرمائے ہیں اس کے عقب میں پھیلے ہوئے ماضی کے کچھ واقعات وحوادثات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ اپنے مضمون کے آغاز میں ہی آپ رقمطراز ہیں

"ایک وقت پاکستان میں ایسا آیا کہ ایک فرقہ کے متعلق کافر کافر کی صدا سے وہ طوفان قائم ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اور بھی بہت سارے مفتیان کرام ہوں گے مگر بطور ادارہ کے سربراہ کے آپ (مفتی محمد رفیع عثمانی مرحوم) کی شخصیت تھی جنہوں نے اصولی اختلاف کیا کہ زیر بحث طبقہ کے وجود میں آنے سے لے کر ارباب فتوی، ائمہ کرام و مجتہدین نے علی العموم ان کی تکفیر کی بجائے تکفیر عقائد پر رکھی ہے کہ جن کے یہ یہ عقائد ہوں ان پر فتوی ہو گا ورنہ علی العموم سب پر نہیں۔ اس وقت کے سورماؤں نے اس پر بہت زور لگایا مگر واحد ذات گرامی ہمارے ممدوح کی تھی جنہوں نے سنا اَن سنا کر دیا مگر اپنے موقف پر مضبوط پہاڑ کی طرح قائم رہے پھر وقت آیا کہ دنیا نے دیکھا کہ نعرہ لگانے والے حضرات خود اس نعرہ کو ترک کرنے کے علمبردار بن گئے۔ گویا ربع صدی کی خرابی بسیار کے بعد ان حضرات نے وہی موقف اختیار کیا جو حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور ائمہ حرمین کا تھا۔ اس سے بڑھ کر حضرت ممدوح کی بالغ نظری اور اصول پسندی کے لئے مزید کیا دلیل پیش کی جائے"

(ماہنامہ لولاک صفحہ 18، جنوری 2023ء)

تبصرہ

حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم کے مضمون کے اس ماخوذہ یعنی حاصل شدہ موقف سے دو باتیں

مترشح ہیں۔ایک تکفیر شیعہ کے حوالہ سے اہل سنت کا موقف اور دوسرا تکفیر کے مسئلہ کو بطور نعرہ و غوغہ اختیار کرنا۔ جہاں تک نعرہ تکفیر کا تعلق ہے اس کی ابتدا حضرت مولانا حق نواز صاحب جھنگوی شہید کی ذات گرامی سے اس وقت ہوئی جب انہوں نے اپنی جماعت "سپاہ صحابہ" کی بنیاد رکھی تھی۔ مولانا شہید کے تمام تر اخلاص و جہد مسلسل کے اعتراف کے باوجود ان کے اس طریقہ کار سے اختلاف کرنے والوں نے بھی اسی دور میں اپنے تحفظات ساتھ ساتھ ہی متبادل کرنا شروع کر دیے تھے۔ مگر ہمارے قارئین حیران ہوں گے کہ اس وقت مولانا حق نواز شہید یا ان کی جماعت کے اس نعرہ و غوغہ کی گرم ہوا اس قدر تند و تیز تھی کہ وہ چیونٹیوں کے بلوں تک داخل ہو چکی تھی اور بڑے بڑے نامی گرامی ارباب بصیرت بھی اس طرز عمل پر اپنا جی جان فدا کر بیٹھے تھے۔ مناظر اہل سنت علامہ عبد الستار تونسوی رحمہ اللہ تک کی تقریروں میں اس وقت مذکورہ نعرے لگتے تھے۔ اگرچہ جلد ہی علامہ تونسوی رحمہ اللہ نے اس پالیسی کو ترک کر کے حسب سابق قواعد و مزاج کے مطابق طریقہ اپنا لیا تھا۔ تاہم اس دور کی چند تقریریں ریکارڈ میں محفوظ ہیں اور اب تو وہ یوٹیوب وغیرہ پر بھی آچکی ہیں۔ اس وقت پورے ملک میں ایک ذات شریف قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی تھی جنہوں نے نہ صرف اس نعرے کی، بلکہ ان بزرگوں کی بھی مخالفت کی تھی جو مولانا شہید کو آشیرباد دے رہے تھے۔ کیونکہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا موقف یہ تھا کہ مولانا حق نواز صاحب مخلص و نڈر عالم دین ہیں اور نفس مسئلہ کی حد تک مشن بھی درست ہے مگر یہ نعرہ بہت ہی خوفناک حد تک سنیت کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور تو اور بذات خود حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم بھی مولانا حق نواز کی شہادت پہ اس قدر دلبرداشتہ اور مغموم ہوئے تھے کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کے مرکز کی مسجد میں جمعۃ المبارک کے اجتماع میں "کافر کافر شیعہ کافر" کے فلک شگاف نعرے لگواتے رہے تھے۔ آیئے یہ سرگزشت خود حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم سے سنتے ہیں۔ مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ رقم زن ہیں

"جب مولانا حق نواز مرحوم کی جھنگ میں شہادت ہوئی تو فقیر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں تھا شورکوٹ جانا تھا۔ جب یہ خبر سنی تو بجائے شورکوٹ کے ملتان آگیا۔ اگلے روز جمعہ تھا۔ ملتان دفتر میں جمعہ پڑھایا تو کافر کافر کے نعرے لگوائے۔ ہفتہ کو حضرت قبلہ (حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ) کے ہمراہ دھریجہ نزد کوٹلہ رحم علی شاہ تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ میں جلسہ تھا فقیر

نے تقریر کی تو واقعہ سے اتنا مغلوب الحال تھا کہ کافر کافر کے نعرے لگوائے۔ عصر کے قریب جب حضرت قبلہ کی دعا پر جلسہ ختم ہوا اور اسٹیج سے اترنے لگے تو فقیر نے سہارے کے لئے اپنا کندھا پیش کیا۔ حضرت قبلہ نے فقیر کا ہاتھ تھام لیا اور چلتے ہوئے فرمایا "ساری دنیا کافر کافر کے نعرے لگائے مگر آپ نہ لگوایا کریں" فقیر مارے شرم کے عرق آلود ہو گیا عرض کیا حضرت وعدہ رہا آئندہ ایسے نہ ہو گا

(ماہنامہ لولاک ملتان کا حضرت شیخ المشائخ نمبر، صفحہ 57، مطبوعہ اکتوبر 2010ء)

ماضی کے اس یادگار واقعہ سے بزبان حال اس امر کا خوب اظہار ہو رہا ہے کہ اس دور میں مولانا حق نواز صاحب کے اس نعرہ نے کیسا کرشماتی اور پر اسرار رنگ جمایا تھا جس کی سامریت نے یکایک اہل سنت کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو بچھڑے کے آگے لا کھڑا کیا تھا۔ ہم ایک بار پھر بطور ناز کے کہیں گے کہ اس وقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تھے جو اس جام جوش اور خار خروش کا گھونٹ پی کر نہ بہکے، نہ لڑھکے اور نہ ہی ملک بھر میں پھیلے ہوئے اپنے ہزاروں متوسلین کو اس طوفان کی نذر ہونے دیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ فی الاصل یہی وہ بالغ نظری تھی کہ جس نے موروثی طور پہ ردشیعیت پہ موثر کام کرنے والی ایک عظیم روحانی شخصیت کے قلب میں یہ القاء کر دیا تھا کہ اس مذکورہ نعرہ سے ایک لامتناہی نقصانات کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ ورنہ اس دور میں روافض اور خمینی کے ایرانی انقلاب کی شر انگیزیوں کے پیش نظر وطن عزیز کے ہر سنی مسلمان کا لہو سمٹ کر پروں میں آ چکا تھا۔ یہی وہ حالات تھے جن میں بریلوی مکتب کے مفتی محمد حسین نعیمی مرحوم نے اعلان کر دیا تھا کہ اب سنی مذہب کی ساری جماعتوں کو "سپاہ صحابہ" بن جانا چاہیے۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہ نے سکھر ائیرپورٹ پہ پریس کانفرنس کی تھی کہ مولانا حق نواز کی شہادت میں نواز شریف اور سیدہ عابدہ حسین کو نامزد کیا جانا چاہیے۔ مولانا محمود احمد رضوی اپنا سر دیوار میں پٹخ پٹخ کر مولانا حق نواز کی شہادت پہ اظہار غم کر رہے تھے۔ اور ایسے درجنوں واقعات سے اس دور کے قومی اخبارات اور صحافی حلقوں کے تبصروں اور تجزیوں سے ایک جہاں اٹا پڑا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سنی بیداری کا ماحول بن چکا تھا مگر اس جذباتی نعرے نے نادیدہ طاقتوں کے ذریعے اس سپیدۂ سحر کو خط شام بلکہ اندھی شب میں بدل دیا تھا۔ تکفیر رفض کے اس نعرہ کے

حوالہ سے جو ہم آگے گزارش کرنا چاہتے ہیں وہ بھی حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم کی اس یادداشت کی روشنی میں ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ حضرت قبلہ خواجہ خان محمد رحمہ اللہ نے حکماً فرمایا تھا

"ساری دنیا کافر کافر کے نعرے لگائے مگر آپ نہ لگایا کریں"

اس ارشاد میں حضرت رحمہ اللہ نے تکفیر کے نعرہ سے منع فرمایا ہے۔ مگر رافضیت کی تکفیر سے انکار نہیں کیا۔ کیونکہ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ کا یہ فرمانا کہ اسلاف امت نے شیعہ عقائد پہ فتویٰ تکفیر دیا، بالعموم نہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب جبکہ صدیوں سے وہ عقائد اثنا عشری روافض کے ہی ثابت ہو چکے ہیں تو مشروط کی قید ختم ہو گئی۔ بعینہ جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کے آغاز میں علماء کرام کے فتاوی نشر ہوئے تھے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے بعد کوئی کسی بھی الفاظ کے ہیر پھیر سے دعویٰ نبوت کرے گا تو وہ بھی اور اسے ماننے والے بھی کافر قرار پائیں گے۔ مگر اب جبکہ عرصہ سو سال سے یہ بات ہر پہلو سے ثابت ہو چکی ہے کہ مذکورہ مدعی مرزا غلام احمد تھے اور ماننے والے بدبخت قادیانی تھے تو اب سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ جلی الفاظ میں قادیانیت اور اس کی تمام شاخوں کی تکفیر کی جائے۔ اور اسی علمی قانون کے تحت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زعماء و اکابرین یعنی مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ، مولانا سعید احمد جلالپوری شہید یا دوسرے اکابرین بنوری ٹاون کراچی نے اثنا عشری روافض کی کلی تکفیر کا نہ صرف فتوی دیا بلکہ اس پر ہزاروں صفحات پہ مشتمل دلائل جمع کر کے امت مسلمہ کی بروقت اور برمحل رہنمائی فرمائی ہے۔ ان حقائق سے حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم سے زیادہ کون واقف ہو گا؟ لہٰذا ہم اس نتیجہ پہ پہنچے ہیں کہ اپنے حالیہ مضمون میں حضرت مولانا مدظلہ دراصل تکفیر کے نعروں کی بطور شور و غوغا تردید کرنا چاہتے تھے مگر صرف وزن بیت کے طور پہ نفس مسئلہ بیچ میں لائے ہیں۔ جو شاید تحریر کی روانی یا قلم کا سہو بھی ہو سکتا ہے یا فقط مفتی محمد رفیع عثمانی مرحوم کے رائے مبارک کے ستارے پھڑ پھڑانے مقصود تھے۔ جہاں تک حضرت مفتی صاحب مرحوم کی اس رائے کا تعلق ہے تو یہ دراصل ان کے والد گرامی مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے جس کے اجمال کی تفصیل میں درحقیقت اثنا عشریہ تکفیر کے فتوے سے بچ ہی نہیں سکتے مگر اللہ جانے کیوں بعض اہل علم ابھی تک مشروط اور مقید و مطلق اور عدم مطلق کی بھول بھلیوں میں گم ہیں۔ حال ہی میں راولپنڈی کے ایک ادارہ غفران کے بزعم خویش مفتی صاحب نے تو یہ ڈینگ بھی ماردی ہے کہ

"ہم حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے فتوے کو راجح قرار دیتے ہیں"

یعنی وہ بزرگ پلو چھڑا کر آناً فاناً اپنا قد مفتی صاحب مرحوم سے بھی بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ جبکہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی ۹ رکنی ایک ٹیم کے ساتھ مل کر مکتبہ شاملہ سے غیر متعلقہ عبارات اٹھا اٹھا کر کتابیں شائع کرتے جا رہے ہیں اور جمہور اہل السنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ایک نئے دار الافتاء سے اپنی دولتیاں جھاڑ رہے ہیں۔ ہم اپنے اس مضمون کا اختتام ایک دلچسپ واقعہ پہ کرنا چاہیں گے۔ ایک ذمہ دار عالم دین نے ہمیں اپنا چشم دید واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ کراچی میں مسلک دیوبند کے جہابذہ روزگار اہل علم کی مجلس بپا تھی جس میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا عبد الرشید نعمانی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا عبد الستار تونسوی اور مفتی محمد رفیع عثمانی جیسے اکابرین ملت تشریف فرما تھے۔ اس دوران حضرت مولانا عبد الستار تونسوی رحمہ اللہ سے فرمائش کی گئی کہ وہ اپنے وسیع تر تجربہ اور تحقیق کے تناظر میں روافض کی تکفیر کے حوالہ سے ارشادات سے نوازیں۔ تو علامہ تونسوی رحمہ اللہ نے اثنا عشریہ کے عقائد، اور مختلف سنی اہل علم کے خیالات علمیہ سے مبرھن اپنی خاصی طویل گفتگو میں یہ ثابت کیا کہ موجودہ زمانہ کے روافض پر علی الاطلاق فتویٰ کفر ہی عائد ہوتا ہے۔ علامہ تونسوی کی تقریر سے حاضرین محفل بہت محظوظ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ آپ بھی حضرت تونسوی کی اس گفتگو کی روشنی میں کچھ فرمائیں تو انہوں نے ایک ہی جملہ فرمایا

"ہمارے ابا جی تو عمومی تکفیر نہیں فرماتے تھے"

اس پر مولانا علامہ عبد الستار تونسوی رحمہ اللہ نے مفتی صاحب کا ہاتھ پکڑ کے برجستہ فرمایا

"ہاں یہ بڑی وزنی دلیل ہے"

اور پھر محفل کشت زعفران بن گئی۔

ماہ نامہ "لولاک" کے اس تازہ حاصل مطالعہ کے تاثر سے ہم نے اپنی جو کچھ معروضات پیش کی ہیں یہ سب گویا حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم کی کرامت ہے کہ ہمیں بھی ماضی کی کچھ بھولی بسری یادیں پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ اس تحریر میں اگر ہماری عجلت یا کم علمی کی وجہ سے حضرت مولانا مدظلہ کی جناب میں کوئی کلمہ ادب سے گرا ہوا محسوس ہو تو ہم پیشگی معذرت چاہتے ہیں۔ اور یہ معذرت ملک و بیرون ملک میں موجود

حضرت مولانا مدظلہ کے حلقۂ عقیدت سے ہے۔ وگرنہ ہمیں تو حضرت مدظلہ خوب جانتے ہیں کہ ہم کس قدر ان کی تعظیم ومحبت سے سرشار رہتے ہیں۔ کیونکہ تحفظ ختم نبوت کے مقدس محاذ پہ ساری زندگی صرف کردینے والے اس بوڑھے جرنیل کے جوتے اٹھانا بھی ہم اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں۔ دفاع ختم نبوت کے جرنیل اوّل، خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور قیامت کی صبح تک جتنے بھی لوگ اس محاذ پہ سرگرم رہیں گے وہ صدیقی نگاہوں کے منظور نظر ہیں، والسلام

(لاہور 4 جنوری 2023ء بمطابق 11 جمادی الثانی 1444ھ)

کیا بھونکنے کی وضاحت درکار ہے؟

گزشتہ دنوں قومی اسمبلی میں تحفظ ناموس صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین بل کی منظوری کی ایک بار پھر تازہ بازگشت سنائی دی ہے۔ اس سے وابستہ توقعات مستقبل میں پوری ہوں یا خاکم بدہن پوری نہ ہوں اور دیگر لاتعداد سیاسی و مذہبی فیصلوں میں یہ بھی ایک وقتی لالی پاپ ثابت ہو تو کوئی بعید نہیں ہے اور ریاستی نشیب و فراز پہ نگاہ رکھنے والے اس سے بھی پوری طرح ذہنی طور پہ تیار رہتے ہیں۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ اس قانون سے اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کو خوش ہو جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ مقدسات کی توہین بزعم خویش کوئی بھی برداشت نہیں کرتا۔ مگر آج صبح ہمیں سوشل میڈیا کی برقی لہروں پہ ملت جعفریہ کے لیٹر پیڈ پر جناب ساجد علی نقوی صاحب کی طرف سے جاری کردہ ایک اعلامیہ دیکھنے کو ملا۔ جو مرکزی سیکرٹری اطلاعات جناب زاہد علی اخونزادہ نے نشر کیا ہے۔ چنانچہ اس کی ابتدائی سطروں میں درج ہے کہ

> "ملت جعفریہ پاکستان فوجداری قانونی ترمیمی ایکٹ 2021ء مسترد کرتی ہے جب تک توہین اور دیگر عناوین کی تعریف، حدود و قیود کو مشخص اور واضح نہیں کیا جاتا کسی قسم کی قانون سازی مزید نفرت کو فروغ دے گی"

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر اجمال، تفصیل کا محتاج ہوتا ہے۔ خواہ وہ شرعی ہو یا قانونی! کیونکہ کسی بھی مثبت چیز کی آڑ میں منفی نالیاں کھینچنے والے لوگ معاشرہ میں موجود ہوتے ہیں۔ جن کی نفرتوں کی بھٹیاں بے گناہوں کو بھسم کر کے اپنے شرارے بلند کرتی رہتی ہیں۔ مگر ہمیں اس امر پہ شدید حیرت ہوئی کہ یہ مطالبہ کہیں اور سے سنائی نہیں دیا۔ جناب مولانا ساجد علی صاحب نقوی نے سب سے پہلے اپنی کاٹھ کی ہنڈیا اس چولہے پہ کیوں رکھ دی ہے؟ پھر اس لیٹر پیڈ پہ لکھا یہ جملہ "توہین کی تعریف اور حدود قیود کا تعین" نہایت مضحکہ خیز ہے۔ ہم نے اس پہ غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ دراصل "تبرا اور تولا" روافض کے دو قدیمی مذہبی شعار چلے آرہے ہیں۔ اہل بیت رسول ﷺ سے اظہار محبت کو "تولا" اور صحابہ کرام سے اظہار عداوت و اظہار برات "تبرا" کہلاتا ہے۔ اور یہ اصطلاحات ان کے ہاں لازم و ملزوم ہیں۔ اس کے برعکس اہل السنت والجماعت کے نزدیک نبی

اکرم ﷺ کے کل کے کل صحابہ کرامؓ، کل کے کل اہل بیت عطام رضی اللہ عنہم، کل کی کل ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور کل کی کل بنات رسول ﷺ لائق احترام، جزو ایمان بلکہ بعض پہلوؤں سے "کل ایمان" کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے اپنے اپنے مختلف کمالات اور مراتب کی شرعی تقسیم تو ہے مگر "منصب صحابیت" کے اعتبار سے یہ سب کے سب برابر ہیں، جنت کے عین مستحق ہیں اور قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے تعمیر انسانیت کے کامیاب ترین معمار ہیں۔ ان کے فضائل کے آگے ہماری گردنیں خم ہیں۔ ان کے گھوڑوں کی گرد پا ہماری آنکھوں کا نور ہے۔ صحبت رسول ﷺ میں لی ہوئی ان کی سانسیں ہمارے دماغوں کا شعور ہیں۔ اور ان کی انتظامی یا بشری خطائیں اس امت کے حق میں "رحمت کی گھٹائیں" ہیں۔ اور اس سے آگے کچھ نہیں۔ ان کی جناب میں کوئی تبرا، تنقید، تحقیر، تحریص یا بیغیر اہل سنت کے دامن ابیض کو کبھی چھو کر گزری ہے اور نہ ہی روز محشر تک کبھی ایسا ہو گا۔ ہم ان مقدس لوگوں کی محبت پہ جیتے ہیں اور انہیں کے ابر کرم کی پھوہار میں کفن پہن کے قبر میں اترنا سعادت سمجھتے ہیں۔

جناب نقوی صاحب نے اپنی ملت جعفریہ کے مذہبی تحفظات کے پیش نظر طالب وضاحت ہو کر "تبرے" کی حدود و قیود کا مطالبہ فرمایا ہے تو نہ جانے ہماری توجہ "کتوں کی مختلف اقسام" کی طرف کیوں چلی گئی؟ اس وقت دنیا میں کم و بیش 400 کے لگ بھگ کتوں کی نسلیں پائی جاتی ہیں۔ جن میں پتلی پتلی ٹانگوں اور لاغر مگر چاک و چوبند جسموں والے شکاری کتے بھی ہیں جنہیں مقامی لوگ "تازی کتے" کہتے ہیں۔ ان میں "بل ڈاگ" نام کے وہ جھگڑالو کتے بھی ہیں جنہیں ریچھوں کے ساتھ نبرد آزما کیا جاتا ہے۔ ان میں ایک "پوائسر" نام کی نسل بھی ہے جو تیتر بٹیر کا شکار کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ان میں "ماڈلز" کتوں کی بھی اپنی دنیا ہے جو بڑی بڑی بیگمات کی گودوں میں تھوتھنی ہلا ہلا کر برگر کھاتے اور کوک پیتے ہیں۔ انہیں میں "آزاد منش" وہ کتے بھی ہوتے ہیں جو بے چارے مفت میں پورے گاؤں اور محلے کی حفاظت کی ذمہ داری از خود اپنے سر لے لیتے ہیں۔ اور ہر آتے جاتے اجنبی پر ترچھی نظروں کے ساتھ ہلکی پھلکی غوں غاں کر کے اہل محلہ سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہیں۔ ان میں سنہری کلر کے "گولڈ ریٹریور" کتے بھی ہیں جو اکثر بیٹھ کر بڑی مہارت سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ ان میں "جرمن شیفرڈ" نام کے کتے بھی ہیں جو اکثر اپنی لمبی سی زبان باہر نکال کے رہتے ہیں اور مخصوص سٹائل سے بھونکتے ہیں۔ انہیں میں "ڈالمیشن" نام کی نسل کے وہ کتے بھی ہیں جو بغیر زبان نکالے مدبرانہ انداز

میں خاموش رہ کے گرد و پیش کے احوال پہ سگانہ نگاہیں گاڑے رکھتے ہیں۔اور ان میں ”پوڈل“ نام کے چھوٹے چھوٹے قد و قامت کے کتے بھی موجود ہیں۔ان سارے کتوں کے مابین سگاوی رابطے ضابطے بھی ہوتے ہیں اور کلیتاً دشمنیاں بھی ہوتی ہیں۔اور یہ ایک دوسرے پر ”بھونکیلیت“ کے جذبوں کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔یوں آپ ان کی ساری نسلوں اور قسموں پہ تحقیق کرتے جائیں تو آپ کو اس بات سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ تمام تر طبقاتی و نسلی اور ہمہ قسمی اختلافات کے باوجود دنیا بھر کے سارے کتوں کا ”اتحاد سگاں“ صرف اور صرف ”تبرے“ یعنی بھونکنے پر قائم ہے۔تو اب فرمایئے کیا کتوں کی ”عف عف“ کو کسی تعریف یا حدود و قیود کو مشخص یا واضح کیا جا سکتا ہے؟اس کے جواب میں سبھی ایک بات کہیں گے کہ بھونکنا، بھونکنا ہی ہوتا ہے۔خواہ کتا کسی اچھی نسل کا ہو خواہ ”لوسی اور لودھ“ قسم کا!کتا کاٹنے والا ہو یا فقط عف عف پہ اکتفاء کرنے والا!وہ جب بھی بھونکے گا تو اس کا بھونکنا ”بھونکنا“ ہی کہلائے گا۔اور ان کی یہ بھونکاری کسی قسم کی وضاحت یا تشریح کی محتاج نہیں ہوتی۔خیر یہ کتوں اور ان کی اقسام کا ذکر تو ویسے ہی درمیان میں مخل ہو گیا ہے۔ہمارا جناب نقوی صاحب کی خدمت میں مشورہ ہے کہ دنیا کے ہر مذہب و مکتب میں ”گالی گالی“ ہی ہوتی ہے۔”گستاخی، گستاخی“ اور ”توہین، توہین“ ہی ہوتی ہے۔لہذا اس کی حدود کوئی بھی متعین کر لی جائیں۔نتیجہ وہیں کا وہیں رہے گا۔اس لئے کہ آپ ٹانگیں جس طرف مرضی گھما لیں،ناف درمیان میں ہی رہے گی۔تاہم اس قانون کی بازگشت کے بعد ہمیں جناب جواد نقوی صاحب کی لب کشائی کا بھی شدت سے انتظار ہے۔کیونکہ دستیاب معلومات کی حد تک وہ ابھی تک مہر بہ لب ہیں۔وہ بھی اپنی مہر سکوت شکستہ کریں تاکہ مبادلۂ خیالات کے نئے جھونکے نصیبوں میں آسکیں۔

(لاہور 19 جنوری 2023ء بروز جمعرات بمطابق 26 جمادی الثانی 1444ھ)

آغا جواد نقوی کے ڈھول کا پول

جناب جواد نقوی صاحب بھی بالآخر بول پڑے اور ہمیں ان کی لب کشائی کا انتظار تھا۔ان کا تازہ بیان ہماری توقع کے عین مطابق ہے۔چنانچہ انہوں نے اپنے خطاب جمعۃ المبارک میں کہا ہے کہ

"توہین صحابہ،امہات المومنین واہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا بل بدنیتی پر مبنی ہے متنازع بل کے ذریعے فرقہ واریت کی تیلی جلادی گئی ہے یہ قانون صحابیت،امہات اور اہل بیت کے دفاع کے لئے نہیں بنوایا گیا بلکہ اس بل کا مقصد بنی امیہ کی متنازع شخصیات کو صحابیت کا لباس پہنا کر انہیں تقدس واحترام دلوانا ہے"

کہتے ہیں ایک نوجوان طوائف نے معمر نائیکہ یعنی قحبہ خانہ چلانے والی بڑھیا سے پوچھا کہ میں نے شرفاء کے محلہ میں قحبہ خانہ کھول رکھا ہے مگر وہاں کام چلتا نظر نہیں آرہا۔محلہ کے تمام ساکنین کی نگاہیں اٹھ رہی ہیں۔ایسے میں ہمیں کیا کرنا چاہئے ؟بوڑھی طوائف نے اپنے زندگی بھر کے خسیس تجربات کا پنڈورا بکس کھولنے کی بجائے ترت سے جواب دیا کہ

"تم محلے کے سبھی باسیوں کو بدکار کہنا شروع کر دو اور اس کا اس وقت تک ڈھنڈورا پیٹو جب تک کہ لوگوں کی توجہ آپ سے ہٹ نہیں جاتی یوں وہ اپنی حفاظت میں لگ جائیں گے اور تم اپنا کام بہ آسانی چلائے رکھو گی"

اکابرین امامیہ نے بھی بعینہٖ اس بوڑھی طوائف کی طرح اپنے متبعین کو یہ سبق پڑھا رکھا ہے کہ فرقہ واریت،توہین،گستاخی،بدنیتی اور شخصیات کے متنازعہ متنازعہ ہونے کا تب تک ڈھول بجاتے رہنا ہے جب تک کہ شرفاء کو اپنے بچاؤ کی فکر دامنگیر نہیں ہو جاتی۔ہم نے ابھی دو دن قبل نشر ہونے والے اپنے مضمون "کیا بہو نکنے کی وضاحت درکار ہے؟"میں لکھا تھا کہ متذکرہ قانون اگر آگے جا کر سینیٹ میں Ok ہو جاتا ہے تو اس سے اچھی خبر کوئی نہیں۔اور اگر خاکم بدہن یہ حکمرانوں کی روایتی سیاسی پالیسیوں کی نظر ہو جاتا ہے تو بھی کم از کم اتنا فائدہ تو لازمی ہو گا کہ رافضیت کی منحوس اور قبیح شکل ایک بار پھر عیاں ہو جائے گی۔چنانچہ اس حقیقت کا اب سبھی نظارہ

کر رہے ہیں کہ جب سے یہ قانون زیر بحث آیا ہے۔امامیہ کی دلدوز و دل فگار اور ہولناک چیخ و پکار نے ابن سباء یہودی سے لے کر علامہ کلینی تک، قاضی نور اللہ شوستری سے لے کر علامہ مجلسی تک اور جناب خمینی سے لے کر جناب ساجد نقوی و آغا جواد نقوی تک سب کے کفن اور کُرتے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ قبریں پھٹ پڑی ہیں اور امامیہ کے گھروں میں محرم الحرام سے بھی کہیں زیادہ وحشیانہ بربریت سے ماتم و سینہ کوبی جاری ہے۔اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے امام اہل سنت حضرت علامہ مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کو۔۔۔۔آہ

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب

ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

امام لکھنوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جو رافضی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق دل میلا نہیں رکھتا اور اس مقدس جنتی جماعت کو گالیاں نہیں دیتا "اس کی رافضیت مشکوک ہے" کیونکہ یہ ان کا من بھاتا کھاجا ہے۔ گدھے کے سر سے سینگ نمودار ہو سکتے ہیں، مچھلی کے منہ میں زبان تلاش کی جاسکتی ہے اور برگد کے پیڑ پر انگوروں کے گچھے لٹکتے نظر آسکتے ہیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی رافضی اصحاب نبی ﷺ پر تبرا نہ کرے۔پاکستان کے پڑھے لکھے مسلمانوں کو اب سمجھ لینا چاہیے کہ نفرتوں کا لاوا ہمیشہ کہاں سے پھٹتا ہے؟ فرقہ واریت کے شعلے کہاں سے بھڑکتے ہیں؟ اور یہودیوں کے شاطرانہ اشاروں پہ تھرکنے اور ناچنے والے یہ "بچے جمورے" کس قسم کی بدبودار غذا پہ پل کر پاکان امت کے خلاف کمربستہ رہنے کو ترجیح بلکہ اس پہ اپنی جان دیتے ہیں۔ قائد اہل سنت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ) کا فرمان ہے کہ قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمالات اس کثرت سے بیان ہوئے ہیں کہ ان کا انکار مشکل تھا اس لئے روافض نے * تحریف قرآن مجید * کا عقیدہ فاسدہ وضع کیا۔یعنی جو محروم القسمت فرقہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بغض میں قرآن مجید سے ہاتھ دھو سکتا ہے۔وہ اس قسم کے قانون کی بالادستی کا تصور تک بھی کیسے کر سکتا ہے؟ جناب آغا جواد نقوی صاحب سے گزارش ہے کہ وہ تحفظ ناموس اہل بیت و صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس قانونی فارمولے پر سیخ پا ہونے کی بجائے اپنے مذہب امامیہ کی طرف سے حکومت پاکستان کو یہ عرضداشت پیش فرمادیں کہ گالیاں دینا چونکہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔اور خصوصاً نبی علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذوات مقدسات کی توہین ہمارے مذہب کی بدروح ہے۔اس لئے ہمیں

کچھ حدود و قیود کے ساتھ بک بکنے کی اجازت دی جائے۔ اگر امامیہ متفقہ طور پر یہ قرارداد پیش کر دیں تو پھر اہل سنت بھی ان کی اس کمزوری کو ان کا پیدائشی عذر جان کر سفارش کر دیں گے۔ کیونکہ واقعی اگر کوئی طبقہ فطری رستوں سے اپنے مواد بطن کا اخراج نہیں کر سکتا تو پھر ان کے منہ بھی بند نہ کئے جائیں ممکن ہے کہ تب اہل سنت فقہاء بھی اضطراری حالتوں پہ ان کی یہ مجبوری مقیس کر کے کوئی گنجائش پیدا کر دیں۔ مگر جب تک یہ توہین مقدسات کو عبادت کے روپ میں پیش کریں گے تب تک ان کا کوئی ایسا کفریہ مطالبہ سواد اعظم اہل سنت قبول نہیں کریں گے۔ ارباب اقتدار کو انصاف سے کام لے کر اب جان لینا چاہیے کہ ملک میں انتشار و افتراق کی صورتحال پیدا کرنے والے دراصل یہی لوگ ہیں جو آج فرقہ وارانہ کشیدگی کو کم یا ختم کرنے والے قانون کے اجراء پر شور شرابا کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں نام نہاد اہل سنت کے ان بے مغزلوگوں سے بھی ہمارا سوال ہے جنہیں *وحدت امت* کا بڑا ہیضہ رہتا ہے اور آغا صاحب جواد نقوی کے درس وحدت کے طبلے پہ بے ہنگم رقص کر کے وہ اپنے منہ پہ اکثر کالک ملئےَ نظر آتے ہیں۔ وہ آج اپنے اس ممدوح سے پوچھیں کہ اس حالیہ بیان کے بعد کیا آپ کے درس اتحاد امت کے *ڈھول کا پول* کھل نہیں گیا؟ باقی کسی کو *صحابیت* کا متنازع لباس پہنانا اہل سنت کی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ کیونکہ یہ روحانی منصب عطاء الٰہی سے جس جس کا مقدر تھا انہیں مل چکا۔ ہاں البتہ ائمہ اہل بیت کو *امامت* کے مزعومہ پردوں میں پیش کر کے اس کی بنیاد پر *عقیدہ ختم نبوت* کو مجروح کرنا اور مقام صحابیت کو متنازع بنانا *آل یہود* کا پرانا وطیرہ ہے اور وہ اس پہ گامزن رہنے کے لئے اپنا ہر ابلیسی حربہ استعمال کرتے آئے ہیں *بنوامیہ* کی شخصیات سے مراد اگر سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں تو پھر ان کی صحابیت و دیگر مقامات رفیعہ کے گواہ خود سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اگر *بنوامیہ* کی شخصیات سے مراد سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں تو پھر امامیوں کو ویسے ہی حلوؔ میں پانی لے کر ڈوب مرنا چاہیے کہ بنوامیہ کی اس شخصیت سے *سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ* نے صلح کے ذریعے ان کی خلافت تسلیم کر کے صدیوں پہلے ابن سباء کی ذریت کو ننگی کا ناچ نچا دیا تھا۔ اور اگر بنوامیہ کی شخصیات سے مراد *یزید* ہے تو پھر نہ وہ صحابی تھا اور نہ ہی کسی مسلمان نے بطور صحابی اس کی تعظیم کی ہے۔ بلکہ ہمارے خیال کے مطابق رافضیت کا سب سے بڑا محسن *یزید* ہی تھا۔ اس لئے کہ وہ بدبخت اگر آل رسول ﷺ کو یوں تہہ تیغ نہ کرواتا تو آج روئے زمین پر رافضیت کا بیج تک نہ ہوتا۔ کیونکہ رفض کا سارا مذہبی گورکھ دھندا اسی سانحہ فاجعہ کے گرد گھومتا

ہے۔ہم حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جناب آغا جواد صاحب نے اپنے اس خطاب میں مقام صحابیت کو متنازع کہہ کر صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کی توہین کی ہے لہٰذا یہ قانون عملاً نافذ ہو یا نہ ہو مگر جواد صاحب پر تو ابھی سے نافذ ہو جانا چاہیئے۔ کہ انہوں نے کھلے عام توہین کا ارتکاب کیا ہے۔

نکل جاتی ہے سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہِ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

(بتاریخ 21 جنوری 2023ء)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی جزوی فضیلت کا مسئلہ

گزشتہ دو دنوں سے مولانا مفتی عبد الواحد صاحب قریشی کی ایک تقریر موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ آج کل سوشل میڈیا کی برق رفتاری جہاں اپنی ضرورت و افادیت کے لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے وہاں اس کے منفی استعمال کے نقصانات کا بھی کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے رائی کا پربت بن جاتا ہے۔ اور اس قدر شور و غوغہ بپا ہو جاتا ہے کہ ایک سنجیدہ انسان کے لئے اختلاف کے مرکزی اور بنیادی سبب کا سراغ لگانا ناممکن ہو کے رہ جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شبہات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ جب کسی کی گفتگو کے سیاق وسباق کی جانب توجہ نہیں کی جاتی اور اسلوب بیان سے ناواقفی پہ اکتفا کر لیا جاتا ہے تو غلط فہمیوں کے دَل بادل چھا جاتے ہیں۔ پھر اس دوران نظریاتی مخالفین کو بھی جلتی پہ تیل ڈالنے کا موقع مل جائے تو ایسی آگ بھڑکتی ہے کہ علم و دانش کے بڑے بڑے خزینے اس آگ کے شعلوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔

یہ تاریخ کی ایک دردناک داستان ہے کہ چھوٹے چھوٹے مغالطوں سے کتنے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے، ان فتنوں کی کوکھ سے کتنے بڑے بڑے فرقوں نے جنم لیا اور پھر ان فرقوں نے حق و باطل کو خلط ملط کر کے کتنی ہی نسلوں کو دین حق سے برگشتہ کر دیا؟ تاریخ کے اوراق ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

ہم نے مولانا عبد الواحد صاحب قریشی کا جو تقریری کلپ سنا ہے یہ ہمیں پشاور سے مولانا خیر الامین قاسمی نے مہیا کیا ہے۔ اسے سننے کے بعد بڑی حیرت ہوئی کہ اگر یہ گفتگو محل نزاع بنی اور پورے ملک میں فتووں اور تہمتوں کے طومار باندھ دیئے گئے ہیں تو یہ واقعی مولانا موصوف کے حق میں زیادتی کی گئی ہے۔ اس لئے کہ اس میں کوئی ایسی تند و تیز اسپرٹ نہیں ہے جو عقل و فکر کے کسی زاویئے کو پریشان کرتی ہو۔ مولانا عبد الواحد صاحب نے دوران گفتگو شاید کسی سائل کے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ

"سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے دامادوں میں سے افضل داماد ہیں"

اب معترضین نے متکلم اور مخاطب کے جمیع اثاثہ فکر و نظر کو یکسر نظر انداز کر کے یہ موقف کشید کر لیا کہ

انہوں نے سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی فضیلت و مقام کا لحاظ نہیں کیا۔ بعض حضرات نے اسے **تفضیلیوں** کے خیالات سے نتھی کرنے کے غیر علمی جتن بھی کئے اور بہت سارے لوگوں نے تو محض غبار دل سے مغلوب ہو کر اوٹ پٹانگ پوسٹوں، پیغامات اور ویڈیو بیانات کے ذریعے اس شورش کو ہوا دی اور یوں بات کہیں سے کہیں نکل گئی۔ ہم نے اگرچہ یہ کلپ سن کر ہی اپنی رائے سے احباب ذی احترام کو آگاہ کر دیا تھا کہ متذکرہ موقف اہل السنت والجماعت کے اساسی اصولوں سے متصادم نہیں ہے۔ صرف غور و تدبر کی ضرورت ہے۔ اگر معترضین عجلت کی بجائے پورے تحمل سے اس پہ توجہ مرکوز کرتے تو شبہات پیدا ہی نہ ہوتے۔ باوجود اس کے ہم نے جب مولانا عبدالواحد صاحب کو اپنے ان خیالات سے آگاہ کیا تو انہوں نے خندہ جبینی کے ساتھ تائید کی کہ میری گفتگو کا مقصد بھی آپ کے کشیدہ نتائج کے عین مطابق تھا۔ مگر بعض علم دوستوں، چند ایک مخلصین، کوئی درجن بھر **متجسسین** اور باقی سب کے سب گندم نما جَو فروش ٹائپ ریاکاروں اور فیس بکی دانشوروں نے خوامخواہ اپنے تخیلات کی مٹی سے گرد اڑانا شروع کر دی۔ مولانا عبدالواحد صاحب کی گفتگو کا خلاصہ فقط اتنا ہے کہ خلفاء اربعہ میں فضیلت کا اعتبار ترتیبِ خلافت پر ہی ہے۔ مگر فضائل کی دنیا میں ایک "جزوی فضیلت" کی اصطلاح بھی مسلمہ ہے۔ اور کسی بھی شخصیت کی جزوی فضیلت دوسروں کی فضیلتِ کلی کے منافی نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی مطلق فضیلت کا دارومدار جزوی فضائل پر ہوتا ہے۔ بلاشبہ خلافت راشدہ موعودہ کی ترتیب میں سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شرف و فضیلت حاصل ہے مگر نبی علیہ السلام کے دامادوں "میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور داماد اس لئے "فضیلت" حاصل ہے کہ ان کی زوجیت میں سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہیں اور سرکار دوعالم ﷺ کی اولاد شریف کا دنیا بھر میں جو وجود ہے وہ اسی عظیم المرتبت جوڑے سے قائم ہے۔ بس اتنی سی بات کو مغالطوں کے غباروں میں اڑا دیا گیا اور یوں ایک علمی اصطلاح کی بنیاد پہ جو رائے دی گئی تھی وہ موجب شر و فساد ٹھہری۔

اہل علم جانتے ہیں کہ سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو یہ شرف نصیب ہے کہ کل انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں فقط آپ کے نکاح میں نبی علیہ السلام کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئیں۔ اب یہ ان کے جمیع فضائل میں سے "جزوی فضیلت" ہے۔

اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی گواہی دو شہادتوں کے برابر قرار دی گئی۔ اب یہ ان کی جزوی فضیلت ہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لئے شاہکار رسالت قرار پائے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں باقاعدہ اپنی دعا مبارک میں اللہ کریم سے مانگا، یہ ان کی جزوی فضیلت ہے۔

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق بارگاہ نبوت سے پیش گوئی کی گئی کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح ہو گی۔ پھر اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا نظارہ چشم فلک نے اس وقت کیا جب امام عالی مقام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے ایک ایسی مثال قائم فرما دی جس سے قیامت تک کے لئے اہل سنت کے سر بلند اور رافضیوں کی گردنیں لڑھک کر رہ گئیں۔

حضرت عبد اللہ النحام رضی اللہ عنہ کی چھینک کی آواز نبی علیہ السلام نے شب معراج جنت میں اور اسی شب حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ سنی تھی۔ تو اب یہ تمام جزوی فضیلتیں خلیفہ بلافصل سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام "افضلیت" یا بہ اعتبار ترتیب کسی بھی خلیفہ موعودہ کے رتبہ کو اس لئے متاثر نہیں کر سکتیں کہ جزوی فضیلت کبھی بھی فضیلت کلی کے منافی نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہماری احباب ذی وقار کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس بحث کو بلا ضرورت طول دینے سے گریز فرمائیں۔ اور بصد ادب اپنے علماء کرام کی خدمت میں بطور رائے گزارش ہے کہ وہ لطیف اور باریک بحثیں عوامی اجتماعات میں گوش گزار کرنے سے اجتناب فرمائیں تو ایسے وقتی پٹاخوں سے اپنا شملہ بچایا جا سکتا ہے۔ وگرنہ وہی صورت حال پیش آئے گی جو ایک "پڑھی لکھی" سوسائٹی میں پیش آگئی تھی۔ وہ یوں کہ ایک امام مسجد نے اپنے خطاب میں کسر نفسی کے طور پہ فرما دیا تھا

"دوستوں ہم سب گناہ گار ہیں، اور یہ عاجز تو آپ سب سے بڑھ کر گناہ گار ہے"

چنانچہ جماعت کے اختتام پہ اہل محلہ نے بیک زبان ہو کے اپنے امام صاحب سے کہا کہ چونکہ آپ اقراری مجرم اور گناہ گار ہیں فلہٰذا آج سے خود کو منصب امامت سے معزول خیال فرمائیں۔ اور یوں امام صاحب کی کسر نفسی "اہل علم" کے خیالات کی بھینٹ چڑھ گئی۔

کَلِّمُوْا النَّاسَ عَلٰی قَدرِ عُقُولِھِم شاید انہیں حالات کے لئے فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے احوال پہ رحم فرمائے۔ اور ہمیں اہل السنت والجماعت پہ کاربند رہ کر فانی زندگی میں اپنے دین متین کی خدمات کے مواقع نصیب فرمائے۔ اللہم آمین

(لاہور، بتاریخ 19 نومبر 2022ء)

پانچ ٹولیوں میں بٹی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ

اس وقت کی مصدقہ و ثقہ اطلاعات کے مطابق جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ چار ٹولیوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اس حوالہ سے ماضی قریب کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے بعض باذوق حضرات کی فرمائش پہ چند سطور قلم بند کی جارہی ہیں:

(1)۔۔۔ ایک ٹولی کے سربراہ مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری ہیں۔ ان کے جتھہ میں مولانا اشرف علی (ابن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ)، مولانا عطاء اللہ بندیالوی اور مولانا سید شفاء اللہ بخاری (ابن مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری) سرفہرست ہیں۔ مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری، مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مرحوم کے اکلوتے فرزند ہیں لیکن یہ اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد اشاعت التوحید کے پرانے چھکڑے کو کھینچنے میں اس لیے ناکام رہے کہ شاہ صاحب مرحوم کی زندگی کا جب چراغ ٹمٹما رہا تھا تو تب جماعت کے نامی گرامی واعظ، (جنہیں شاہ صاحب کی تھپکیوں نے سحر البیان، فصیح اللسان، شیریں زباں، حتی کہ مناظر اسلام وغیرہ وغیرہ کے بھاری بھرکم القاب سے نواز رکھا تھا) نے اختلافات کا آغاز کر دیا تھا۔ ان کا اسم شریف مولانا احمد سعید خان ہے۔ مرحوم کی زبان تڑک بھڑک اور خطیبانہ شعلہ نوائیوں سے برق خرمن کا کام کرتی تھی اور اسلاف امت پہ ان کے بے رحمانہ حملوں کے وار سے جمعیت اشاعت کے چراغ جلتے تھے۔

مولانا احمد سعید صاحب کبیر والا کے ایک قصبہ "چتروڑ گڑھ" کے رہنے والے تھے۔ جن دنوں انہوں نے اشاعت التوحید کے اسٹیج سے اپنی سریلی آواز کے ذریعے جادو پھیلانے کا آغاز کیا تھا تب کبیر والا ضلع ملتان میں شامل تھا۔ اس لیے وہ "علامہ احمد سعید خان ملتانی" کے نام سے معروف رہے۔ زیر نظر مضمون کو طوالت سے بچانے کے لیے فی الوقت ان کی علمیت، لیاقت یا استعداد پہ تبصرہ کرنے سے گریز کیا جارہا ہے۔ انہوں نے ایک بار اپنی تقریر میں ببانگ دھل فرمایا تھا

" تعویزات لکھنے اور لکھانے والے سبھی لعنتی اور حرام خور ہیں"

یاد رہے کہ یہ لب ولہجہ انہیں حضرت شاہ صاحب کی آشیر باد سے مدتوں کی ریاضتوں اور صحبتوں کے بعد نصیب ہوا تھا۔ وہ اپنی اسی "زبان دانی" پہ مشتمل خطابت کے جواہر بکھیر رہے تھے کہ سامعین میں سے ایک شخص نے سوال داغا:

"علامہ صاحب تعویذ تو بڑے شاہ صاحب (مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری) بھی دیتے ہیں"

پھر اپنے گلے میں لٹکے تعویذ کو گریبان سے باہر نکال کر کہا:

"یہ تعویذ شاہ صاحب ہی کا عطا کردہ ہے"

تو مولانا احمد سعید خان صاحب ترت بولے

"اگر شاہ جی نے یہ تعویذ دیا ہے تو وہ بھی۔۔۔۔۔"

(اگلی بات اشاعتی احباب خود ہی دھرا لیں، کیوں کہ اختلافِ فکر و نظر کے باوجود ہم تو ان کے متعلق نقل حوالہ کے طور پر بھی وہ الفاظ نہیں ادا کرنا چاہتے)

یہ نوبت یہاں تک پہنچی تو اب اشاعت التوحید کی مجلس مقننہ نے شاہ جی کی سرپرستی میں ایک ہنگامی اجلاس بلا کر مولانا احمد سعید خان کا جماعت سے خروج لگا دیا۔ بعد ازاں ان کے خلاف ایک کتاب بھی چھپی، جس کا نام "خس کم جہاں پاک" تجویز ہوا۔ اس کی ترتیب مولانا افضل ضیاء لالہ موسیٰ والوں کے سپرد کی گئی، جو ان کے قلمی یا فرضی "محمد الفضاد" کے نام سے منصۂ شہود پر لائی گئی تھی۔ یہ کتاب حاصل کرنے کے لیے راقم اور مولانا محمد اسماعیل محمدی مرحوم شاہ فیصل گیٹ گجرات گئے تھے اور دو نسخے وصول کیے تھے۔ اس کی بھی ایک دل ربا روداد ہے جو بخوف طوالت ترک کی جا رہی ہے "خس کم جہاں پاک" نامی کتاب کے جواب میں مولانا احمد سعید خان نے بھی اپنے کرایہ کے ایک مرتب سے "نظریہ امام انقلاب" نامی کتاب چھپوائی تھی جو کاتب السطور کے پاس موجود ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ شاہ صاحب کا خروج لگانے کے بعد مولانا احمد سعید صاحب نے "مرکزی اشاعت التوحید والسنۃ" کے نام سے اپنا الگ گروپ تشکیل دے دیا۔ ان ہی ایام (1999ء) میں شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا، تو مولانا احمد سعید نے سر تال پہ تھرکنے والے اپنے سامعین کی تنظیم سازی کی، جنہوں نے موصوف کی گمراہیوں اور بے پرکیوں کا ہر جگہ دفاع کیا اور ان ہی سامعین کے جلو میں وہ انتقال کر گئے، ان کی نماز جنازہ

میں صرف ان ہی لوگوں نے شرکت کی تھی جو مولانا احمد سعید خان صاحب کی لن ترانیوں پہ سر دھنتے تھے۔ مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری یا جمعیت اشاعت التوحید کا کوئی اور سر کردہ بندہ شامل نماز جنازہ نہ ہوا تھا۔

(2)۔۔۔ مولانا احمد سعید خان کی وفات کے بعد اب نئے گروپ یعنی "مرکزی اشاعت التوحید والسنہ "کی امارت مولانا احمد سعید خان کے بیٹے قاری کلیم اللہ خان کے سپرد ہوئی۔ ان کو پھیکی، بے روح، بے وزن اور مردہ کلامی اپنے والد صاحب گرامی سے بطور وراثت منتقل ہوئی مولانا احمد سعید خان جیسے کیسے بھی تھے، رسمی عالم تو تھے، لفاظی اور خطابت کے فن سے شناسائی بھی تھی، لہجے کے استعمال سے شدبد اور آواز کے اتار چڑھاو کی سدھ بدھ بھی تھی، متروک سرائیکی محاورے اور پھپے دار جملے کہنے کے دھنی تھے۔ اپنی تقریروں میں قراءت سبعہ عشرہ سے الگ تھلگ ایک دیسی قرات متعارف کروانے میں بھی کامیاب رہے۔ مگر قاری کلیم اللہ نے صرف کتا، دلا، حرام دا، سور دا بچہ، میں حرام دی موت مراں، توں کتے دی موت مرے، کافر، مشرک، خنزیر، بے ایمان، قرآن دا دشمن وغیرہ وغیرہ جیسے قبیح اور الفاظ کے غلط استعمال کو ہی خطابت کی معراج سمجھا۔ چناں چہ اپنے والد کے تیار کردہ لوگوں کو ایک ایک کر کے خود سے دور کر دیا اور الم غلم کی بک بکا سے اپنی جماعت میں فقط اپنے دو بیٹوں سعد کلیم اور اسعد کلیم کو باقی رکھا۔ اب جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے اس دوسرے گروپ سے ایک تیسرا گروپ نمودار ہو گیا۔

(3)۔۔۔ اس دوسرے اور تیسرے گروپ میں زیادہ (بلکہ تمام تر) بے سرے اور بے ڈھبے قوال نما واعظین کی بہتات ہے۔ بالخصوص تیسری ٹولی میں گھسیارے، بھٹیارے اور گفتگو کے واجبی ادب و آداب سے بھی عاری مبلغین کی کثرت ہے۔ اس ٹولی کی سربراہی خیر سے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے کسی " قاری عمر حیات ڈیروی" کے مقدر میں آئی ہے۔ یہ موصوف تقریر کرتے نہیں" گاتے "ہیں۔ اس ٹولی کی تمام تر قیادت کی لیاقت علمی کی روشن دلیل یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی اردو نہیں آتی۔ اور یہ سب ملتان، جھنگ، میانوالی، سرگودھا اور پیر محل کی بولیوں اور لہجوں کا اچار بنا کر خطاب فرماتے ہیں۔ غائیں غائیں، آئیں آئیں، بھائیں بھائیں کی مدد سے توحید و سنت کی خدمت کر رہے ہیں۔ قاری کلیم اللہ کی ٹولی پہ الزام ہے کہ اس نے ساہیوال وغیرہ میں مرکز کے نام سے چندوں کا غبن کیا ہے۔ جبکہ کلیم اللہ ٹولی کا کہنا ہے" قاری عمر حیات "ٹولی جماعت کا پچاس ہزار روپیہ کھا گئی ہے۔ سو اس "اجتہادی و علمی "اختلاف کے تناظر میں مرکزی اشاعت دو حصوں میں بٹ گئی۔ گویا اب کل تین پارٹیاں

ہو گئیں۔ایک کشتی کے ملاح مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری، دوسری کے قاری کلیم اللہ اور تیسری کے قاری عمر حیات ڈیروی ہیں۔اب چوتھی ٹولی جو ظہور پذیر ہوئی ہے اس کا حال ملاحظہ کیجیے۔

(4)۔۔۔چوتھی ٹولی کے امیر پنج پیر ضلع صوابی کے مولانا محمد طیب صاحب ہیں جو مولانا محمد طاہر پنج پیری کے صاحبزادہ ہیں۔ مولانا طاہر پنج پیری جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے بانی راہنماوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے بیٹے مولانا محمد طیب صاحب پہلے تو مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی ٹولے کے مرکزی امیر تھے۔اب خدا جانے کیا اختلافات ہوئے کہ انہوں نے اپنی الگ جمعیت اشاعت التوحید و السنۃ قائم کر دی ہے اور اس کے امیر منتخب ہو گئے ہیں۔ بنیادی طور پر تو یہ سارے بزرگ جبروتی اور طاغوتی مزاج کے ہیں۔ مگر اس ٹولی میں ایک صاحب "خضر حیات "کر کے معروف ہیں۔نہ ان کی شکل عالمانہ ہے اور نہ عقل فاضلانہ ہے۔بے ہودہ گفتگو کرنے میں "قادر الھفوات"ہیں۔ان کی نشتر زنیوں سے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے لے کر موجودہ دور میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور اکابرین دعوت و تبلیغ تک کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ یہ صاحب حلیہ سے ٹرک ڈرائیور لگتے ہیں اور بکنے بولنے میں "سلسل البول" کے دائمی مریض!سنا ہے کہ سوشل میڈیا پہ اپنی تھیٹر پارٹی متعارف کرواتے رہتے ہیں۔ یہ چوتھی ٹولی کے مناظر اعظم کے طور پر لانچ ہوئے ہیں۔ حالاں کہ موصوف بدمعاشوں کی حجامت بنانے والے استرے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔اس ٹولی میں تیسرے موصوف مولانا احمد سعید خان کے بڑے بیٹے مولانا عصمت اللہ خان ہیں۔ ان کی اپنے دوسرے بھائیوں سے ان بن ہوئی تو یہ پہلے تو الگ سے کٹی پتنگ کی طرح ادھر ادھر لڑھکتے رہے مگر اب اس چوتھی ٹولی میں دستار قیادت سجائے مذاق منڈی میں دستیاب ہیں۔

(5)۔۔۔ان چاروں کے بعد ایک پانچویں کشتی کا اکیلا ملاح اور بھی یہاں وہاں چپو پہ چپو چلا کر توحید و سنت کی خدمت میں منہمک ہے۔ یہ رحیم یار خان کے جاجروی خاندان کے ایک بزرگ ہیں۔ان کے پیچھے "مفتی" کی دم بھی زمین پہ گھسٹتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ جمعیت اشاعت التوحید و السنۃ کے بنیادی بزرگ مولانا عبد الغنی جاجروی مرحوم کے بیٹے ہیں۔ان کا تازہ ارشاد اور فتویٰ ان کی نئی پارٹی کی نوید سناتا یوں سنا گیا ہے کہ

"بریلوی مشرک تو ہیں مگر غیر کتابی مشرک نہیں بلکہ کتابی مشرک ہیں، فلہٰذا ان اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اور لڑکی کا رشتہ لینا جائز، البتہ رشتہ دینا حرام قطعی، واللہ اعلم بالصواب"

ان پانچوں پارٹیوں کی باہم گیہم گھتی اور چھینا چھپٹی میں ایک چیز قدر مشترک ہے اور وہ ہے سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر اور سماع عند القبر کا صریح انکار اور اسلاف امت پہ مسلسل گولہ باری!!

ان حالات میں احباب دعا فرمائیں کہ اشاعتی حلقوں کی ان پانچ ٹولیوں کو اللہ تعالی مزید اولاد بخشے اور یہ غیر فطری طور طریقوں سے لحہ لحہ اور پل پل ٹولیاں جنتی رہیں، کیوں کہ ان کے منقسم رہنے میں امت مسلمہ کی خیر و عافیت اور متحد رہنے میں امت کے لیے سامان شر و فساد ہے۔ بایں ہمہ دعاؤں کا سلسلہ بھی جاری رکھیں کہ اللہ تعالی ان کو اور ہم سب کو ھدایت ابدی نصیب فرمادے۔ اللہم آمین!

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے جملہ دھڑوں سے ہماری گزارش ہو گی کہ کم و بیش ساٹھ سال قبل ایک اتفاقی نظریہ کو اختلافی بنا کر اکابرین امت اور زعمائے دار العلوم دیوبند کے خلاف جو ناٹک رچا کر متشدد لوگوں کی پیداوار سے دھما چوکڑی مچائی گئی تھی وہی متشدد نسلیں اب جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے گلے پڑ گئی ہیں۔ جبکہ اکابرین دیوبند کے افکار، عقائد، مزاجِ مسلکی اور وقارِ ملی پہلے سے بھی زیادہ تابناک ہیں اور ان کی عزت و توقیر میں ان شاء اللہ قیامت تک اضافہ ہی ہو گا۔

(27 دسمبر 2021ء بروز سوموار)

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے ہاں چھٹی ٹولی کی ولادت

مورخہ 9 جنوری بروز اتوار بمقام مدرسہ تعلیم القران راجہ بازار راولپنڈی میں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ (مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری گروپ) کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اور تو جو کچھ ہوا، سو ہوا، گرم خبر یہ ہے کہ جمعیت موصوفہ میں چھٹی ٹولی نے جنم لے لیا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی ہم نے "پانچ ٹولیوں میں بٹی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ" کے نام سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ جس کی صدائے بازگشت ابھی بھی سنائی دے رہی ہے۔ تاہم ہمارے وہم وگمان میں یہ بات نہ تھی کہ جمعیت اشاعت "امید" سے ہے اور اگلے چند روز میں نئی ولادت کے شادیانے بجیں گے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے اس اجلاس میں نہایت غور وفکر کے ساتھ مفتی منیر شاکر کو بھی دعوت دی۔ ان صاحب کا مختصر تعارف یہ ہے کہ جہاں بے عقلی اپنے تمام تر ذخیرہء حماقت وسفاہت کی انتہاؤں کو چھوتی ہے، وہاں سے ان کی بے وقوفیوں کی ابتدا ہوتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مستند اور متفق علیہ بے وقوف کو شاہ صاحب نے اجلاس میں کیوں بلایا؟ اور میزبان مکرم مولانا اشرف علی صاحب نے شاہ صاحب کے فیصلے کی کیسے تائید کر دی۔

جہاں تک مولانا اشرف علی صاحب کی ذات کا تعلق ہے، وہ ایک سادہ طبع شخصیت ہیں۔ ان کے اندر صرف ایک خاصیت ہے کہ ان کی رگوں میں شیخ القران حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کا لہو رواں ہے۔ اگرچہ سانحہ راجہ بازار کے بعد جمعیت اشاعت کی مسلسل بے حسی اور جمود نے اب کافی حد تک اس خون کو منجمد کر دیا ہے اور طبعی طور پر مولانا اشرف علی مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی جمعیت میں آنے کے لیے تڑپنے پھڑکنے کی توفیق مانگ رہے ہیں۔ نیز مکمل طور پر تو نہیں، کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔۔۔

مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب نے منیر شاکر صاحب کو اس لیے دعوت دی تاکہ پنج پیر کے مولانا محمد طیب صاحب کو تپش دی جاسکے۔ کیونکہ پچھلے چند سالوں سے مولانا طیب صاحب اور منیر شاکر صاحب میں مخالفت کے

شعلے خوب بھڑک رہے ہیں۔ پہلے پنج پیر کے سالانہ اجتماع میں منیر شاکر صاحب خاص مقررین میں شمار ہوتے تھے۔ وہاں پشتو زبان میں ان کی گرم گرم تقریر ہوتی تھی، مگر پھر اچانک کیسٹ کی سائیڈ بدلی تو منیر شاکر صاحب نے مولانا محمد طیب صاحب کے خلاف پشاور میں اپنی ایک پریس کانفرنس میں الزام عائد کیا تھا کہ پنج پیر والے خفیہ اداروں کے تعاون سے ہمارے بندے اٹھالیتے ہیں اور ہمیں زد و کوب کرکے پریشان کرتے ہیں۔ اس مخالفت کے تناظر میں منیر شاکر کئی دنوں سے اپنی پٹاری میں مخمور تھے کہ اچانک مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے بنسری بجائی تو منیر شاکر صاحب اپنے "مفتی" کے جملہ اثاثوں کے ساتھ راولپنڈی وارد ہوئے۔ لبوں پہ مصنوعی سی موج تبسم سجائے حسب اعلان مائیک پہ ایستادہ ہوئے۔ مگر وہ ہوا، جس کی توقع مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب کو نہ تھی کہ ایسا بھی کچھ ہو سکتا ہے؟

منیر شاکر صاحب کا جب نام پکارا گیا تو اپنی جگہ سے وہ یوں اٹھ کر مائیک پہ آئے جیسے چند ماہ قبل اشرف غنی کابل سے پھدک کر ازبکستان پہنچے تھے۔ انہوں نے آتے ہی جارحانہ انداز میں خطبہ پڑھا اور مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب کے لتے لینے شروع کر دیئے۔ موصوف نے کہا کہ یہ کیا سب نے "اشاعت، اشاعت" کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اشاعت کو بچانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اشاعت بچے یا نہ بچے ہم نے "توحید اور سنت" کو بچانا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ پہلے مولانا احمد سعید خان کو غیر دستوری طور پر جمعیت اشاعت سے نکال کر زیادتی کی گئی تھی۔ یہ سن کر مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری کے جسم کے پیچ وخم ابھرنے لگے۔ اور ان کی دوسری جانب بیٹھے مولانا عطاء اللہ صاحب بندیالوی کبھی منیر شاکر صاحب کو اور کبھی حاضرین اجلاس کی جانب یوں دیکھ رہے تھے جیسے بے مغزا تھانیدار اپنی کرسی پہ بیٹھا مدعی اور ملزم کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

خیر منیر شاکر صاحب نے اپنی گفتگو میں مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب کی ڈاڑھی وغیرہ کے حوالہ سے بھی تنقید کی اور پھر نہایت غصہ میں آکر کہا:

"یہ بھی کوئی جماعت سازی ہے، میرا باپ فوت ہوا تو کسی نے فون پہ بھی تعزیت نہ کی"

اس بندہ خدا سے کون کہے کہ اب کونسا آپ کو کسی رتبے کی بنا پہ لایا گیا ہے؟ وہ تو اللہ بھلا کرے پنج پیر والوں کا، کہ انہوں نے تیسری ٹولی تشکیل دی تو اب شاہ صاحب نے ان کو زرا گرمائش دینے کے لیے آپ کو مدعو کیا ہے۔

تسلیم کہ مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب گھاگ قسم کے آدمی ہیں۔ اڑتی چڑیا کے پر گننے کا فن جانتے ہیں۔ مگر منیر شاکر صاحب کی بے مثل حماقتوں نے شاہ صاحب کی ٹلی بجا کر رکھ دی۔ اب مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری کھڑے ہوئے اور منیر شاکر کے ڈھیلے پرزوں کو کسنے اور جوڑنے کی تمہید باندھ ہی رہے تھے کہ آگے بیٹھے ہوئے منیر شاکر مغضوب الغضب ہو کر بولے

"حضرت جے نہ کو سیں ایجنڈے پہ بات کریں"

گویا وہ خود ایجنڈے کے مطابق گفتگو کر کے گئے تھے بس پھر کیا تھا، شاہ جی گرم ہوتے چلے گئے اور ارشاد فرمایا

"وہ میجر عامر تھا جو تمہاری باتیں سن کے ہنس پڑتا تھا، اب تمہیں جس سے پالا پڑا ہے وہ ضیاء اللہ شاہ بخاری ہے۔"

کاتب السطور اس موقع پر یہ کہے بنا نہیں رہ سکتا کہ جناب شاہ صاحب اب تک آپ نے مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مولانا علامہ خالد محمود اور مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہم اللہ جیسے سلاطین علم وفضل اور مجسمہائے حلم وصبر سے ماتھا لگائے رکھا تھا، جو آپ کی تمام ترغیر سنجیدہ حرکتوں کو ہنس کے ٹال جایا کرتے تھے، مگر ان کے صبر نے اب اشاعتی چڑیلیں آپ کے پیچھے لگادی ہیں، منیر شاکر جیسے منہ زور بھینسے، خضر حیات بھکروی جیسے لگڑ بگڑ، کلیم اللہ جیسے چمگادڑ، اور سجاد الرحمن، عمر حیات، اور ان جیسے لاتعداد بے چارے کٹے کے منہ پر ملائی کا لیپ کر کے خود دودھ غڑپ غڑپ کر پی جانے والے شرارتی بندروں کے ہاتھوں شاید آپ کی عزت سادات اب گاہے بگاہے ایسے ہی رلتی تلتی نظر آئے گی (خدا نہ کرے کہ ایسا ہو، کیوں کہ شاہ صاحب بہرحال قابل عزت ہیں۔ اور سیانے کہتے ہیں کہ خاندانی اور مکرم دشمن کا مل جانا بھی کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔)

بہرکیف اجلاس کی کارگزاری یہاں تک ہی پہنچی تھی کہ پھر کیمرے بند کروا دیئے گئے۔ لائٹیں بجھادی گئیں۔ اور جمعیت اشاعت کی شام غریباں کا مرحلہ شروع ہوا، جس کی روئداد ہمدم دیرینہ کی فراہم کردہ اگلی معلومات کے آنے تک ہم اجازت چاہیں گے۔ مگر اس سے پہلے مولانا عطاء اللہ صاحب بندیالوی کے ایک ارشاد پہ ہلکا سا تبصرہ پیش قارئین کریں گے۔

بندیالوی صاحب نے اپنی متحارب ومخالف ٹولیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ یہ کیا طریقہ ہے کہ

" قران مجید کی وہ آیات آج تم اپنوں (اشاعت التوحید والسنہ) پر فٹ کرتے چلے جارہے ہو، جو یہودیوں اور منافقوں کے متعلق تھیں"

جناب بندیالوی صاحب!

"ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہی ویسی سنی" کے مصداق کیا مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مرحوم اور ان کی نگرانی وپشت پناہی سے اشاعت کے بے لگام مقررین یہودیوں، منافقوں اور بت پرستوں والی آیات اسلاف اہل سنت دیوبند پہ فٹ نہیں کیا کرتے تھے؟ کیا علمائے دیوبند کو ساری زندگی "ابو جہل کا ٹبر" نہیں کہا جاتا رہا؟۔۔ کیا نام لے لے کر نامی گرامی علمائے دیوبند کی تضحیک وتحقیر کے ساتھ جلسوں میں سامعین کو بہشت کے جھانسے نہیں دیئے گئے؟ اگر جواب "نہیں" میں ہے تو پھر ایک مرتبہ اپنی یاد داشت پر زور دیجے، اور اگر "ہاں" میں ہے تو پھر اپنے ہاتھوں کی لگائی ہوئی یہ گرہیں اب آپ کو دانتوں سے کھولنا ہی پڑیں گی۔

تاہم اس امر کا ہمیں افسوس ہے کہ اب جبکہ تعفن وتعصب کی یہ گرہیں مضبوط ہو چکی ہیں۔ جمیعت اشاعت التوحید والسنۃ کی جملہ ٹولیوں کے کارپردازان کے دانت جواب دے چکے ہیں۔۔۔ منیر شاکر نامی مفتی صاحب کی حالیہ ہڑبونگ کے بعد ان کے ہم خیال مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے خلاف صف آراء ہو چکے ہیں اور اب اعلان عام ہونا باقی ہے۔ جو جلد متوقع ہے۔"**فاعتبروا یا اولی الابصار**"

(مورخہ 10 جنوری 2022ء)

بے گانی فاتحہ خوانی میں غیر مقلدانہ جشن

مسلک اہل حدیث کے ایک عالم جناب مولانا ابتسام الہی ظہیر کے جمعۃ المبارک کے خطاب کا ایک ویڈیو کلپ دیکھنے سننے کا اتفاق ہوا تو ماضی قریب کے ایک مقتول آنجہانی شاعر کا یہ شعر یاد آگیا

لبوں پہ حرف رَجَز ہے زِرہ اتار کے بھی
میں جشن فتح مناتا ہوں جنگ ہار کے بھی

اس اجمالی تمہید کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کے وصال پہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے اپنے مرحوم برادر ذی قدر کی نماز جنازہ میں امامت فرمائی تو اس میں مسلک احناف کے عام معمول سے ہٹ کر سورہ فاتحہ پڑھی۔ جس کے بعد عوامی حلقوں میں بحث و تمحیص کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اہل علم نے سنجیدہ انداز میں اظہار خیال بھی فرمایا اور بعض غیر ذمہ دار افراد نے حضرت مفتی صاحب کے علمی قد کاٹھ اور ان کی روحانی و مسلکی خانوادگی کا لحاظ کئے بنا اوٹ پٹانگ قسم کے تبصرے بھی کئے۔ یہ سلسلہ تاحال جاری ہے اور ملک میں کسی نئے واقعہ کے رونما ہونے تک شاید جاری رہے گا۔ کیونکہ دور حاضر کا یہ میڈیائی مزاج ہے کہ جب کوئی نیا سانحہ ہوتا ہے تو پہلے والا یکسر دماغوں سے محو ہو جاتا ہے۔ خواہ پہلے والا سانحہ کتنا ہی بڑا اور اہم، اور بعد والا کتنا ہی معمولی اور غیر اہم کیوں نہ ہو۔ نئی داستانوں پہ سر دھننا اور گزرے احوال کی یاد داشتوں سے اپنا مستقبل روشن کرنے کی بجائے انہیں بھلا دینا عقل و شعور سے عاری اقوام کا ملی مزاج ہوتا ہے۔ تاہم مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا اپنے برادر ذی احتشام کے جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا مسلک اہل حدیث کے عالم مولانا ابتسام الہی ظہیر کے ظاہر و باطن کو کچھ زیادہ ہی متبسم کر گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خطاب میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی دینی و قومی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس مسرت کا بھی اظہار فرمایا کہ

"مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھ کر رجوع الی الکتاب والسنہ کی ترغیب

دی ہے۔اور انہوں نے یہ عمل کر کے فرقہ واریت کا خاتمہ کر دیا ہے"

یعنی مولانا موصوف کے نہاں خانہ ضمیر کے مطابق اب تک دنیا بھر میں امام اعظم علی الاطلاق حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متبعین اور مقلدین جو جنازہ کی نمازوں میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تو وہ سب کے سب خدانخواستہ کتاب و سنت سے روگردانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مولانا ابتسام الٰہی ظہیر نے مذکورہ خطاب کے ذریعے اپنے تئیں قصرِ احناف پہ گویا کولیسٹرول بم گرا دیا ہے اور بہت ہی فاتحانہ انداز میں جشن منا کر اپنے سامعین کو حوصلہ دیا ہے کہ اب دنیا میں مقلدین کے جینے کے دن تھوڑے ہیں اور تارکین تقلید نے آج رازِ حیات پالیا ہے۔ مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا کے اس خطابت کے شعلہ نے معتدل و منصف مزاج پاکستانیوں کو کوئلہ بنادیا ہے۔اور ان کے ان کلمات سے فرقہ واریت، عدم علم و نور بصیرت اور سطحی ذہنیت کے بھبھکے اٹھتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ہمیں تعجب ہے کہ آج کے اس برق رفتار اور فہم و ادراک کے زمانہ میں بھی اہل حدیث مکتب فکر کے علماء کرام تعصب و عناد کے مرکبات اپنے ترک تقلید کے مرتبانوں میں سجا کر دوسروں کے اجتہادی اعمال کو اپنے کھاتے میں ڈالے بھنگڑے ڈالتے نظر آرہے ہیں کہ شاید دنیا بھر کے مقلدین ائمہ اربعہ اپنی اپنی صفیں لپیٹ کر "مسلک اہل حدیث" قبول کرتے چلے جارہے ہیں۔

مولانا ابتسام الٰہی ظہیر اگر واقعی فرقہ واریت کے خاتمہ میں مخلص ہیں تو وہ یوں بھی تو کہہ سکتے تھے کہ ایک حنفی المذہب جید عالم دین نے نماز جنازہ کی امامت میں سورہ فاتحہ پڑھ کر ثابت کر دیا ہے کہ اہل حدیث مکتب فکر کے وابستگان کا یہ عمل بھی شریعت اسلامی میں باقاعدہ گنجائش رکھتا ہے۔اور ایسے مواقع پہ سورہ فاتحہ پڑھنے یا چھوڑ دینے کے دونوں طریقے ثابت ہیں لہٰذا حنفیوں اور اہلحدیثوں کا ان مسائل کو پہلوانوں کے اکھاڑے بنانا غیر ضروری ہے۔ مگر جب مولانا ابتسام الٰہی ظہیر نے اسے حنفیت کی نظریاتی شکست اور اپنے مسلک شریف کی کھلی فتح سے تعبیر کیا تو اب انہوں نے بذات خود فرقہ وارانہ نفرتوں کے مزید کانٹے بکھیر کر اپنی ذات پہ سوالیہ نشان چھوڑ دیا کہ وہ واقعی فرقہ واریت کے خاتمہ کے خواہاں ہیں یا ایک نئی طرز کی فرقہ واریت لانچ کرنا چاہتے ہیں؟

پھر مقام غور و فکر یہ بھی ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا یا نہ پڑھنا مقلدین کے باہم اندرونی علمی اختلاف آراء سے متعلق ہے۔ اس کا ان منکرین تقلید سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں کہ جو چاروں ائمہ کرام

اور بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام سن کر ہی جن کے پیٹوں میں گدگدی ہونے لگ جاتی ہے۔ جبکہ بقول سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کہ مقلدین کا غیر مقلدین سے اختلاف "تھری ٹی" پہ ہے۔ یعنی تقلید، تراویح اور طلاق! باقی آمین بالجہر و بالسر، قرات خلف الامام، رفع الیدین یا مسئلہ زیر بحث وغیرہ مقلدین کے اندرونی مسائل ہیں ان میں احناف کے ساتھ شوافع، مالکیہ یا حنابلہ تو بحث و اعتراض کا حق رکھتے ہیں غیر مقلدین یا تارکین تقلید قطعاً نہیں۔ اگرچہ متعصبانہ جذبات کے لوگ ہر مکتب فکر میں موجود ہوتے ہیں مگر ہمیں افسوس ہے کہ نہایت غیر شریفانہ اور بے حد خسیسانہ پیرایہ میں اظہار مخالفت کے طور طریقے انہیں دوستوں سے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں جو مکتب دیوبند کے مخالف کیمپوں میں تکیے لگائے بیٹھے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم آف گوجرانوالہ کا ایک واقعہ سنئے۔

انہوں نے ہفت روزہ اخبار "تنظیم" بابت 10 ستمبر 1933ء میں اپنے ایک مضمون میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش فرمائی تھی

(ومن اعرض عن ذکری فانہ لہ معیشتا ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی)

اور اس کا ترجمہ یوں کیا تھا

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی "قرات خلف الامام" سے اعراض کرتے ہیں ان کے لئے تنگ زندگی ہے اور قیامت میں وہ اندھے اٹھائے جاویں گے"

جب ان سے پوچھا گیا کہ حضرت آپ نے خالص اپنا مسلکی زہر انڈیل کر جو ترجمہ فرمایا ہے کیا آپ جناب کا ضمیر اس پہ مطمئن ہے؟ تو انہوں نے ترت جواب میں ارشاد فرمایا:

"واقعی اس آیت کا یہ ترجمہ تو نہیں لیکن مناظروں میں حنفی ایسا کرتے ہیں تو ہم بھی کر ہی لیتے ہیں"۔ (یہ واقعہ عمدۃ المحدثین حضرت مولانا علامہ عبد العزیز رحمہ اللہ گوجرانوالوی کی کتاب "البرھان الساطع" میں موجود ہے)

ہم مولانا ابتسام الہی ظہیر کی خدمت میں یہ کہنے کی جسارت بھی کریں گے کہ وہ درجنوں اہل حدیث علماء جنہوں نے دار العلوم دیوبند یا دیگر مدارس میں علماء دیوبند سے کسب فیض کیا، کیا وہ سب کے سب رجوع الی الکتاب والسنہ کے نور سے محروم تھے؟ خود مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد

تھے اور مناظروں میں بطور افتخار دار العلوم دیوبند کی سند لہرا لہرا کر اپنے مخالفین پہ دھاک بٹھایا کرتے تھے۔ انہیں مولانا ثناء اللہ کے متعلق مولانا ظفر علی خان مرحوم نے شعر کہا تھا

خدا شرمائے اس ظالم ثناء اللہ کو

نہ چھوڑا جس نے قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

ہم نہایت ادب کے ساتھ گزارش کریں گے کہ افکار کی بنیاد پہ شخصیات کو پہچانا جاتا ہے نہ کہ شخصیتوں پر افکار کا کلی مدار ہوتا ہے۔ اگر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے نماز جنازہ میں حنفی تعبیر سے ہٹ کر سورہ فاتحہ بطور ثناء (نہ کہ قرات) پڑھ لی ہے تو ان کے اس عمل سے نہ تو ان کی حنفیت پہ کوئی زد پڑتی ہے اور نہ ہی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں احناف علماء کرام کی شان فقاہت پہ کوئی گرد اڑتی ہے۔ اور جہاں تک علمی تبادلہ خیالات یا آراء کا مسئلہ ہے وہ اہل علم اپنے اپنے مقام کے مطابق اظہار فرما رہے ہیں۔ اور یہی اہل علم کی شان ہے۔ اس لئے اہل حدیث مکتب کے حضرات بھی اپنے دماغوں کو وسعت دیں، اور اپنے دل کی دنیا کا دائرہ بڑا کریں۔ ہم نے

"بے گانی شادی میں عبد اللہ دیوانہ"

کا محاورہ تو سنا تھا مگر

"بے گانی فاتحہ خوانی میں غیر مقلدانہ جشن"

کا نظارا پہلی بار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے احوال پہ رحم فرمائے، اللھم آمین

(2 دسمبر 2022ء بروز جمعۃ المبارک)

تبصرہ بر رسالہ "نفاذ شریعت اور فقہ جعفریہ"

یہ رسالہ پہلے پہل جنرل ضیاء الحق شہید کے دور حکومت کے اوائل میں شائع ہوئی تھی اور ملک بھر میں تقسیم ہوئی۔اس تصنیف کا پس منظر اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

1983ء میں پاکستان بھر کے اہل تشیع نے "فقہ جعفری نافذ کرو" کے نام سے ایک ملک گیر تحریک چلائی تھی۔اور اپنے مطالبات تسلیم کروانے کے لئے اسلام آباد میں فسادی دھرنا دیا تھا۔دوسری جانب اہل سنت علامہ عبد الستار تونسوی علیہ الرحمہ کی قیادت میں متحد ہوئے،راولپنڈی میں جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ،لاہور میں جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ،اور مسجد نیلا گنبد، نیز کراچی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاون مراکز قرار پائے۔اور حضرت تونسوی علیہ الرحمہ نے اپنے طوفانی دوروں سے اس ملک گیر تحریک میں وہ روح پھونکی کہ انفاس عیسی کی مہک آنے لگی تھی۔اس جوابی تحریک کو کمزور کرنے میں کس کا کیا کردار تھا؟ذاتی مفادات اور لیڈری کے چسکوں نے کس طرح اس ملی تحریک کو نقصان پہنچایا اور خفیہ طاقتوں نے کن مقدس چہروں کو اس کار "خیر" کے لئے استعمال کیا؟یہ المناک اور خوفناک بلکہ ہولناک داستان ہے۔جس کے بعض احوال کو بندہ نے "مظہر کرم" تصنیف میں محتاط انداز میں قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔اور بہت کچھ سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہے،اور خدا کرے کہ اسی حفاظت کیساتھ ہم فانی زندگی کے بقیہ ایام گزار سکیں آمین۔

ہاں تو دوستو!"نفاذ شریعت اور فقہ جعفری" کے نام سے یہ کتابچہ اسی رافضی تحریک کی دسیسہ کاریوں سے ارباب اقتدار اور اہل علم ودانش کو آگاہ کرنے کی غرض سے شائع کیا گیا تھا۔جو چوہدری امان اللہ لک ایڈووکیٹ آف گجرات کے نام سے چھپا تھا۔مگر بہت کم لوگوں کے علم میں ہو گا کہ فی الاصل اس کے مصنف مناظر اعظم حضرت علامہ مولانا اللہ یار خان آف چکڑالہ ضلع میانوالی تھے۔اور چوہدری امان اللہ لک ان کے مرید خاص تھے۔قانونی پیچیدگیوں سے بچنے اور عوام وخواص کے عمومی فوائد کی مصلحت وحکمت کے پیش نظر اسے چوہدری صاحب کے نام سے شائع کیا گیا تھا،مگر ایک کام ایک خاص وقت اور حالات کی بنا پر اگر حسب مصلحت کیا

جاتا ہے تو اس کام کی اصل نوعیت سے آمدہ وقتوں میں قوم کو آگاہ کرنا بھی عین حکمت اور تاریخی ریکارڈ کی درستی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ یہ امان اللہ لک مرحوم ایک ٹھاکر قسم کے چوہدری تھے جو مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمہ کے متوسلین میں شامل ہو کر اس قدر محبوب و مقبول ہوئے کہ اللہ تعالی نے کوٹ کچہریوں کے کٹہروں میں ان سے مذہب اہل سنت کے دفاع کا کام لیا اور حضرت مولانا اللہ یار خان مرحوم کی پشت پناہی اور تربیت سے بلاشبہ اس شخص نے وہ تاریخی خدمت سرانجام دی کہ جسے بھلا دینا ممکن نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا اللہ یار خان مرحوم چوہدری امان اللہ کے ڈیرہ واقع گجرات میں مقیم تھے تو ایک بڑھیا آئی اور مولانا اللہ یار خان مرحوم کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ اس پیرانہ سالی اور ضعف میں آپ حضرت مولانا صاحب کو ملنے کیوں تکلیف اٹھا کر آئی ہیں؟ تو اس نے کہا، میں اس شخص کو دیکھنا چاہتی ہوں "جس نے لک جیسے بندے کا "لک" سیدھا کر دیا ہے" اللہ اکبر۔ ہمارے اکابر بھی کیا لوگ تھے جو دین متین کی خدمت و اشاعت کے لئے ہر میدان اور شعبے سے وابستہ لوگوں سے کام لینے کا گر جانتے تھے۔ یہ کتابچہ اردو، انگریزی اور عربی تینوں زبانوں میں بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں چھپا تھا اور دنیا بھر میں تقسیم ہوا۔ آج یہ عظیم المرتبت کتابچہ pdf کی صورت میں سامنے آیا تو ان یادگار لمحات اور تاریخی حالات نے بندہ کی طبیعت میں ایک مسرت بھری ہلچل پیدا کر دی۔ اور زیر نظر سطور اسی تاثر کا نتیجہ فکر ہیں۔ ہائے کہاں گیا وہ زمانہ کہ جب مذہب اہل سنت کی بقاء و دفاع کے جذبات رکھنے والوں میں قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، مولانا عبد الستار تونسوی، علامہ مولانا اللہ یار خان چکڑالوی، امام پاکستان مولانا احمد شاہ چوکیروی، محقق اہل سنت مولانا محمد نافع، سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا مہر محمد میانوالوی، شہید خنجر ناز مولانا حق نواز جھنگوی شہید، اور سنی غیرت سے مالا مال چوہدری امان اللہ لک ایڈووکیٹ جیسے لوگ میدان عمل میں موجود ہوا کرتے تھے۔ اور اہل سنت کی نظریاتی سرحدوں کے یہ سچے اور کھرے پہریدار ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے فرائض سے غفلت برتنے کے روادار نہ تھے۔ اور اب۔۔۔۔۔؟

ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر۔۔۔۔

یا الہ العالمین ان سب کی، اور ان جیسے لاتعداد دوسروں کی کامل مغفرت فرما، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی زیارتوں سے انہیں مشرف فرما، انکی قبور کو رشک جنت بنا، انکو کروٹ کروٹ راحت و سکون

نصیب فرما،اور روز محشر حوض کوثر کے کناروں سے انہیں آب کوثر پلا کر "سلام علیکم "کی ٹھنڈی ہواؤں میں "فادخلوھاخلدین "کی سعادتوں سے بہرہ ور فرما۔ جہاں امان اللہ لک جیسے لوگ اپنی بغلوں سے "نفاذ شریعت "کا کتابچہ نکال کر بارگاہ شیخین کریمین میں پیش کرتے ہوئے کہیں" الحمدلله الذی صدقناوعده واورثناالارض نتبوء من الجنة حیث نشاء، فنعم اجر العالمین۔۔والسلام

(لاہور/حال مقیم آرام باغ ایبٹ آباد/16،دسمبر 2021ء)

مولانا زاھد الراشدی کی شیعہ مرکز میں امامت

چند دن قبل لاہور میں اہل بیت کے مرکز جامعہ عروۃ الوثقیٰ میں "ختم نبوت اور وحدت امت" کے زیر عنوان ایک کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں بعض علماء اہل سنت نے بھی حسبِ دعوت شرکت کی۔ جن میں بطور خاص مولانا زاھد الراشدی صاحب کو امامت کا منصب بھی سونپا گیا۔ یوں جامعہ عُروۃ الوثقیٰؑ کے بانی و منتظم مولانا جواد نقوی صاحب سمیت تمام شرکاء (جن میں اکثریت شیعوں کی تھی) نے راشدی صاحب کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد سوشل میڈیا سمیت متعدد حلقوں میں اس حوالہ سے بحث و مباحثہ کا تندور گرم ہے۔ ہمیں مولانا زاھد الراشدی صاحب کے اس عمل پہ کوئی زیادہ تعجب اس لئے نہیں ہے کہ آں موصوف کی پوری زندگی اسی قسم کے اعمال میں گزری ہے۔ تاہم سربراہ ادارہ مولانا جواد نقوی کی کامیابی حیران کن ہے کہ انہوں نے ایک ایسے عنوان سے معنون محفل میں سنیوں کو شریک کر کے بے وقوف بنا ڈالا، کہ جو عنوان اہل تشیع کے اسلام سے فاصلوں کو اول روز ہی سے بڑھاتا چلا آرہا ہے۔ یعنی عقیدہ امامت کی آڑ میں اجراء نبوت کا قائل ہونا اور عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرنا! اس میدان میں سالہا سال تک جدوجہد کرنے والے جانتے ہیں کہ عقیدۂ تحریف قران مجید اور عقیدہ امامت شیعوں کے دو ایسے عقائد ہیں کہ لاکھ تاویلات و تلبیسات کے باوجود یہ ان کی کوئی ایسی توجیہ آج تک نہیں کر سکے کہ جس کی رُو سے ان کی عدم تکفیر کی جانب متوجہ ہونا پڑا ہو۔ مگر اب کچھ عرصہ سے انڈیا میں مولانا سلمان ندوی اور پاکستان میں چند علماء کرام کو یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ انکار ختم نبوت، تحریف قران مجید اور اصحابؓ و ازواجؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر متواتر تبرا بازی کے باوجود شیعوں کو ملت اسلامیہ سے فاصلے پہ کیوں رکھا جا رہا ہے؟ لہذا انہیں ان کے متذکرہ عقائد کے باوجود اسلام کی صفوں میں غیر فطری طور پہ ہی سہی، لا کھڑا کر کے بزعم خویش اسلام کی خدمت کر لی جائے۔ بدقسمتی سے ایسے متفکرین دیوبندی مکتب فکر سے نمایاں ہو کر سامنے آرہے ہیں۔ کم و بیش ایک سال قبل کراچی سے ایک مولانا منظور احمد مینگل، جنہیں اپنے علم و ہنر پہ بجا طور پہ ناز ہے۔ نے اپنے ویڈیو کلپ میں کہا کہ شیعوں کو جو تحریف قران کا قائل کہا جاتا ہے وہ بالکل غلط ہے، وہ قران مجید کی

سالمیت کے قائل ہیں۔ یقین جانئے یہ گفتگو کرتے ہوئے ان کی پیشانی کی سلوٹیں بتا رہی تھیں کہ موصوف نے اس موضوع پہ جانبین کے موقف کی کوئی ایک سطر بھی نہیں پڑھی، اور انہیں اپنی ویڈیو ریکارڈ کرواتے ہوئے ذرا برابر احساس نہ ہوا کہ وہ علماء اہل سنت کی صدیوں کی تحقیقات کو اپنے احمقانہ جملوں سے اڑا کر ان کی بھد اڑانے میں کتنی پھرتی دکھا رہے ہیں۔ اور ایک ایسے فرقے پہ احسان کر رہے ہیں جو اسلام کا شدید ترین دشمن ہے۔ دوسری جانب مولانا طارق جمیل ہیں کہ جن کا بس چلے تو قابیل، شداد، نمرود، ابو جہل و ابو لہب، چنگیز، خمینی، ہلاکو اور مودی وٹرمپ تک کو پروانۂ جنت دے ڈالیں۔ انہیں اگر تحفظات ہیں تو علماء دین سے ہیں کہ جنہوں نے منبر و محراب کو تشتت و افتراق کا مرکز بنا رکھا ہے، ان مولانا صاحب کو اپنوں کے علاوہ ہر طاغی، گمراہ و سرکش اور طاغوتی و ابلیسی ایجنٹ سے ہمدردی ہے۔

مولانا سلمان ندوی نے جس قدر حیاسوز کاروائیاں کر کے اہل حق کی رسوائی کی ہے وہ کسی ذی شعور سے مخفی نہیں ہے۔ اور اب رہی سہی کسر مولانا زاہد الراشدی صاحب نے نکال دی ہے کہ جن کے والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے "ارشاد الشیعہ" نامی کتاب لکھ کر صرف فکری تبادلہ خیالات ہی نہیں کیے بلکہ باقاعدہ اپنا فتویٰ درج کیا ہے کہ ان عقائد کی بنا پہ روافض مسلمان نہیں کہلائے جاسکتے۔ ہم یہاں یہ عرض کریں گے کہ بالفرض مولانا راشدی صاحب اپنی تحقیق میں اہل تشیع کی تکفیر نہ بھی کرتے ہوں تو وہ اس حقیقت کا انکار تو بہر حال نہیں کر سکتے کہ شیعہ لوگ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کو بلا حجاب گالیاں دیتے ہیں، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی توہین اور دیگر پاکان امت کو گالیاں دینا ان کا مذہبی شعار اور من بھاتا کام ہے۔ تو کیا اس سے باخبر رہنے کے بعد بھی ان کے ضمیر نے یہ قبول کر لیا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے مرکز میں جا کر ان سے محبت و تعلق کی پینگیں بڑھائیں اور ان کے دستر خوان سے میلدذ ہو کر "وحدت" کے پرچارک بنیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہمارا سوال ہو گا کہ اب تک جو شیعوں کے خلاف تحریکیں چلی ہیں۔ مولانا موصوف نے ان تحریکوں کے خلاف اپنی زبان و بیان کا استعمال کیوں نہیں کیا؟ بلکہ ہم تو یہی دیکھتے آرہے ہیں کہ جب کبھی تندور گرم ہوا مولانا راشدی صاحب فوراً آکر اپنی روٹی لگا کے رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ 80ء کی دہائی میں علامہ عبد الستار تونسویؒ اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے قائم کردہ "متحدہ سنی محاذ" کو ہائی جیک کر کے اُسے جمعیت علماء اسلام (درخواستی گروپ) کے لیے تشہیری کیمپ بنانے اور مولانا حق نواز جھنگوی شہید کو بتھپکیاں دینے والوں میں ایک نام

تیرہویں امام "راشدی صاحب" کا بھی ہے۔ سنی طلبہ تنظیموں کو اکسانے، اور فکری رہبری کی آڑ میں آگے دھکیلنے والے بھی متعدد مقامات پہ موصوف نظر آئے۔

اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو۔ مگر لگتا ایسے ہے جیسے اس قسم کے حضرات کو یہ ٹاسک دیا گیا ہے کہ وہ ایسی اتحادی خدمات سرانجام دے کر اپنے آباء واجداد سمیت تمام اسلافِ امت کی علمی و دینی خدمات کو مشکوک بنا دیں۔ اور پھر آج کے نئے زمانہ کے نوجوان یہ گنگناتے نظر آئیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے لے کر مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ تک زعماء امت نے تو کچھ بھی نہیں کیا، اصل دین تو مولانا زاہد الراشدی، طارق جمیل، منظور مینگل اور سلمان ندوی پیش کر رہے ہیں۔ خود سوچئے اس خطرناک سوچ کی آج آبیاری کون کر رہا ہے؟ کہا جا رہا ہے کہ اس سے قبل کی تحریکوں میں ہمارے اکابر نے بھی تو شیعوں کو اپنے ساتھ شامل کیے رکھا۔ یہ ایک قیاس مع الفارق اور شدید غلط بیانی پہ مشتمل تاویل ہے۔ کیوں کہ اکابرین امت نے ان کو اپنے ہاں بلا کر اپنے دینی مقاصد کے لیے استعمال کیا تھا اور آپ ان کے پاس جا کر انہی کے ہاتھ کا کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ لہذا اپنے غلط طرز عمل کو اس قسم کی دیمک زدہ بیساکھیوں کا سہارا دے کر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں کل کلاں اگر قادیانی وحدت امت کی فکر میں صوفی مولانا محمد ریاض خان سواتی اور مولانا زاہد الراشدی صاحبان کو مدعو کریں تو وہاں بھی یقیناً انہیں ان کی دعوت قبول کرنا ہوگی کیونکہ شیعوں کے عقیدہ ختم نبوت کی حیثیت فقط اُتنی ہی ہے جتنی کہ قادیانیوں کے عقیدہ ختم نبوت کی، قادیانی کہتے ہیں کہ غیر تشریعی نبی ہو سکتا ہے اور شیعہ کہتے ہیں نبی کے نام سے تو نہیں، تاہم نبوت و رسالت کا کامل صفات سے متصف کوئی بھی امامت کے عنوان سے آ سکتا ہے۔ اس جان وایمان لیوا فکر و نظر کا پرچار اُس مکتب فکر کے علماء کرنے جا رہے ہیں جن کی پوری تاریخ حمیت و دینی غیرت سے بھری پڑی ہے۔ ہم مزید کسی بحث کے صرف اور صرف ان سنی شرکاء کنونشن سے سوال کرتے ہیں کہ وہاں جا کے کیا واقعی آپ کا ضمیر مطمئن ہے؟ اگر ایسا ہے تو مولانا راشدی صاحب کو تیرہویں امامت کا سہرا مبارک ہو۔ مگر صوفی مولانا محمد ریاض صاحب سواتی کو کیا پیش کیا جائے؟

سانحہ دربار حضرت علی بن عثمان الہجویری رحمہ اللہ

امسال 1443 ہجری کے سالانہ عرس کے موقع پر مسلک بریلی کے دو علماء مولانا سید عرفان شاہ مشہدی اور مولوی محمد حنیف قریشی صاحبان کے ساتھ عوام نے جو برتاؤ کیا اس کی تفصیل میں جائے بغیر اس کے اسباب اور نتائج کے دو چار پہلوؤں پر اپنی معروضات پیش کی جارہی ہیں اور ایسا ایک علم دوست جناب مصدق آصف چغتائی صاحب کی فرمائش کی بنا پر کیا جارہا ہے۔ وگرنہ "عیاں راچہ بیاں" کے تحت بندہ اس عنوان پہ کچھ لکھنے، کہنے کی ضرورت اس لئے نہیں سمجھتا کہ متذکرہ شخصیات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا ارتکاب کیا تو حضرت عثمان رحمہ اللہ کے عظیم فرزند اور حضرت حسن رحمہ اللہ کے رفیع المرتبت والد گرامی حضرت علی الہجویری رحمہ اللہ کی تربت پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے شیدائیوں نے اپنے جذبات کے اظہار کے زریعے انہیں ان کی اوقات سے آگاہ کردیا۔ یہاں فی الوقت ہم اس واقعہ کے ان مناظر میں جھانکنا مناسب نہیں سمجھتے کہ جن کا تعلق براہ راست بریلوی علماء کے مابین عرصہ دراز سے پیدا شدہ باہمی تنازعات وتباغض اور حرص وہوس کی دوڑ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ کبڑے کا کب نکلنا چاہئے، کس نے کیوں اور کس کے اکسانے پہ نکالا؟ ہم اس سے دست پنجہ ملائے بغیر آگے بڑھتے ہیں۔

یہ 1999ء کی بات ہے: حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک شاتم صحابہ خاندان کے ایک فرد محی الدین بن محمود شاہ نے انگلینڈ کی فضا کو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہ تبرا کی سوزش باطن سے آلودہ کیا۔ جگہ جگہ اپنے باپ محمود شاہ کی تربیت کے مطابق زہر افشانی کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اس وقت جبکہ لب آشنائے خندہ بریلوی علماء خاموشی کا پان چرنے چگنے میں مصروف تماشہ دیکھ رہے تھے۔ مولانا عرفان شاہ مشہدی خم ٹھونک کے میدان میں نکلے اور انہوں نے پیر بے توقیر محی الدین شاہ کو دعوت مناظرہ دی، محی الدین شاہ لپکتا ہوا اپنے چند مریدین بے بصر وبے عقل کے ہمراہ مناظرہ کی مجلس میں آدھمکا، اس کے بعد جو اس کی درگت بنی وہ یوٹیوب پر موجود مناظرہ میں بہ چشم خود دیکھی جاسکتی ہے۔ اس مناظرہ میں مولانا عرفان شاہ نے کھلنڈرے اور بدزبان محی

الدین کو جیتے جاگتے اپنے پدر مردہ کی لحد میں اتار دیا۔ یوں یورپ کے بام و در حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و شوکت سے دہل کر رہ گئے۔ ان دنوں اس کار خیر کا سہرا بہر حال مولانا عرفان شاہ کے سر سجتا تھا اور یہ ان کا حق بھی تھا۔

2007ء کے وسطی مہینوں میں سے کسی مہینہ کی بات ہے، بندہ (راقم) نے مولانا عرفان شاہ صاحب کو فون کیا، تب آپ حسب ترتیب سابق پاکستان کے دورہ پہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ بھکھی شریف کا فون نمبر تھا، حسن اتفاق کہ فون شاہ جی نے خود سنا، بندہ نے اپنا تعارف کروانے کے بعد کہا کہ میں نے جناب کا ایک مناظرہ دیکھا اور سنا ہے، جس میں آپ نے صحابیٔ رسول جناب سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرعی عظمت کا اہل سنت کے متفقہ اصولوں پہ خوب خوب دفاع کیا، میں صرف اور صرف اسی جزبہ سے آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ کلمات رسمی و رواجی طور پر نہیں بلکہ قلبی گہرائیوں سے کہے تھے۔ شاہ صاحب کی آواز میں رقت طاری ہو گئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ شاید ان کے آنسو بھی ملاقیٔ رخسار ہوئے ہوں گے۔ کہنے لگے آپ لاہور میں کہاں رہتے ہیں؟ عرض کیا سبزہ زار سکیم میں! تو مولانا عرفان شاہ صاحب نے بے خودی میں کہا اوہہہہہ زبردست، سبزہ زار کے ای بلاک میں تو میرا ایک گھر ہے اور میں وہاں آتا جاتا رہتا ہوں۔ آپ پرسوں میرے پاس فلاں وقت تشریف لائیں۔

طے شدہ ضابطہ کے تحت راقم قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی تصانیف کا سیٹ اور اپنی چند بے ربط کتابیں لے کر ان کے ہاں پہنچ گیا۔ شاہ صاحب پورے اخلاقِ کریمانہ و آدابِ میزبانہ سے پیش آئے۔ میں نے ان کی شخصیت میں ایک عالمانہ وقار، آنکھوں میں مطالعہ کتب کی چمک، باتوں میں کہیں کہیں بریلویانہ چنگاری کی چٹک مگر دل و دماغ کو نبی علیہ السلام کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبتوں سے مالا مال پایا۔ انہوں نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی کتابوں کو سینے سے لگایا اور اوپر رکھی کتاب "دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ" دیکھ کر زیر لب مسکرائے اور ہماری خالص دینی محبت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کم و بیش ایک گھنٹہ کی ملاقات میں مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ یوں یہ ملاقات اختتام پذیر ہوئی۔

چند سال پہلے کی بات ہے: اسی ماہ صفر المظفر میں ہونے والے حضرت ہجویری رحمہ اللہ کے سالانہ عرس پر یہی مسجد تھی، یہی عوام تھے اور اسٹیج پر مولانا عرفان شاہ مشہدی تھے۔ موضوع سخن اس قدر دل آزار تھا کہ شاہ

جی کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ علمائے دیوبند پہ تہمتوں کی خوب لفظی گولہ باری کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو طیش آیا اور نہایت سرعت کے ساتھ نفرتوں کے تمام تر مقامات کو عبور کرتے ہوئے اپنے سامعین کو حکم دیا کہ "شیر انوالہ مرکز کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور لعنتیں کرو" سامعین بھلا اپنے شیر نر اور زرغام ببر کا حکم کیسے ٹال سکتے تھے؟ چناں چہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر خانہ خدا میں امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری علیہ الرحمہ کی وہ توہین کی گئی کہ میں ان مناظر کو دہرانے کا تحمل اپنے اندر نہیں پاتا۔ سچ پوچھئے تو اِسی سال شاہ جی کی الٹی گنتی شروع ہو گئی تھی۔

انہی مولانا عرفان شاہ جیسے سنجیدہ عالم کو مولانا خادم حسین رضوی مرحوم کے بپا کردہ دھرنا، اسلام آباد میں فل ڈسکو ڈانس کرتے بھی دیکھا گیا۔ جس میں شاہ جی ٹھمکے لگا لگا کر اور اپنے لحیم و شحیم بدن کو لہکا لہکا کر رقص کی ایک نئی ورائٹی متعارف کروا رہے تھے۔ لوگوں نے اس پہ پھبتیاں کسیں، آوازے اور قہقہے بلند کئے، مگر حضرت لاہوری کی روحانی بد دعا نے اس بندہ خدا کو چشمہ علم سے اٹھا کر اسلام آباد کی شاہراہ پہ نچا نچا کر بد حال کیا، پھر ان ہی شاہ جی نے اپنے خطاب میں مولانا محمد اعظم طارق شہید کو "کلمونہہ" کہہ کر بے علم سامعین سے اپنی "خطابت" کی داد وصول کی۔

بعد ازاں ان کے اپنے مدرسہ کے فاضل اور ان کے والد مولانا جلال الدین صاحب کے شاگرد مولانا اشرف آصف جلالی کے ساتھ اختلافات ظہور پزیر ہوئے جو بد قسمتی کے وسیع دشت میں ویران سفر کرتے کرتے آج یہاں تک جا پہنچے کہ آصف صاحب جلالی کے معتقدین نے شاہ جی کو دن میں تارے اور بہروں کی بستی میں باجوں کی دکانیں دکھادیں۔

اب اگلا منظر ملاحظہ کیجے: مولانا عرفان شاہ صاحب نے 1999ء میں جس گستاخ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پنجہ آزمائی کی تھی، 2020ء میں اسی محی الدین شاہ کی دعوت پر اس کے والد محمود شاہ کے عرس میں شرکت کرنے حویلیاں جا پہنچے۔ وہاں الف انار، "ب" بکری یوں اکھٹے نظر آئے جیسے ہمارے بچپن کے اسکول والے قاعدہ پہ نظر آیا کرتے تھے۔ دونوں شاہوں نے "تو مرا ملا بگو من ترا حاجی بگویم" پہ خوب خوب عمل کیا۔ محی الدین شاہ نے کہا: اگر ہمارے ماضی میں اختلافات تھے بھی تو آج ہم اپنی دادی سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے ایک ہو چکے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ 1999ء میں انگلینڈ والے مباحثہ میں یہ دادی جان کی

نسبت سے اکھٹے کیوں نہ ہوئے؟ وہاں تو مولانا عرفان شاہ نے محی الدین کی حقیقی گمراھی کا پردہ چاک کرنے میں کوئی تعلق آڑے نہ آنے دیا، مگر اب دادی جان کی یاد کیسے آگئی؟

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ داداجان شیر خدا رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی جناب حضرت عقیل جنگ صفین میں اپنے بھائی کی بجائے مخالف کیمپ میں کیوں گئے؟ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ دادی جان کی حرمت کے لج پرور امام حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی روشن حقیقت نظر انداز کرکے یہ کواو کبوتر ایک ھی گھونسلہ میں کیسے گھس گئے؟ کیوں کہ یہ ساری باتیں محی الدین شاہ جیسا اناڑی اور طفل بے مکتب نہیں تو نہ سہی، مگر شاہ جی تو خوب جانتے ہیں۔ دوستو! ایک حضرت معاویہ رض کا زبردست اور عریاں گستاخ اور دوسرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زبردست حامی وہامی، ان کی شرف صحابیت کے پورے قدردان اور مدافعت کا فریضہ سرانجام دینے والے، آج ایک اسٹیج پہ کیسے جمع ہوگئے؟ تسلیم کہ امام لاہوری رحمہ اللہ کی روحانی بددعا یہاں بھی تعاقب میں ہے۔ مگر اپنے بریلوی بھائیوں کی رضا اور غبت کا بھی تو کوئی چورن ہونا چاہئے؟

اس کا جواب ملاحظہ کیجے:

دو سال قبل مولانا اشرف آصف جلالی نے مشہور زمانہ قضیہ فدک پہ گفتگو کرتے ہوئے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارگاہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں پیغام بھیجنے کو "خطاء اجتہادی" کہا تھا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ ان کی اجتہادی خطا تھی یا صواب کے زریعے اللہ تعالی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام اصیب و اصدق کا پرچار کروانا چاہتے تھے۔ یہ بات تو بہرحال طے ہے کہ لفظ "خطاء اجتہادی" کوئی عیب یا تنقیص والا کلمہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اس مومن کامل کی شان علمیت کا روشن استعارہ ہے جس کی علمی خطا بھی اسے اللہ تعالی کا محبوب بنادیتی ہے۔ اس لفظ سے آج تک وہی لوگ بدکتے، پھڑکتے، پھدکتے اور تھرکتے آئے ہیں جو نہ لفظ خطا کی اصلیت سے واقف ہیں، نہ اجتہاد کے مستجابی مقامات کو جانتے ہیں اور لفظ "صواب" جانے ان کی بلا! دھاگے واگے پر گزر اوقات کرنے والا یہ طبقہ جب کبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ اسلاف اہل سنت کی کتب میں لفظ "خطاء اجتہادی" پڑھتا ہے تو ان کے باطن کا علامہ مجلسی بیدار ہوجاتا ہے۔ وہ خود کو مجسمہ علم و فضل خیال کرتے ہوئے مشتعل ہوجاتے ہیں۔ مگر حیرت ہے مولانا عرفان شاہ جیسا بندہ بھی اس لفظ کے استعمال کی آڑ میں اپنے ہم مسلک اور والد کے شاگرد کے خلاف جسمانی قدو قامت کا پہاڑ گجڑا کر دیتا ہے اور مولوی اشرف آصف

کی مخالفت میں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قدیمی، بے نسلی دشمن اور اپنے ماضی کے حریف کو بھی سینے سے لگانے میں عار محسوس نہیں کرتا۔

دراصل یہ سارے شاخسانے باہمی حسد وعداوت، مالی مفادات کے حصول اور بزعم خویش مسلک اعلی حضرت کی ترجمانی کی پگ اپنے سر سجانے کی بھاگ دوڑ کا نتیجہ ہے۔ اسی حرص نے مولانا عرفان شاہ سے امام لاہوری کی توہین کروائی، اسی ہوس نے مولانا خادم حسین رضوی اور اشرف آصف کو مقابل لا کھڑا کر کے ایک دوسرے پر الزمات اگلوائے، اسی لیڈری کے چسکے نے پیر افضل قادری سے افزائش نسل کے فطری ضابطے کو ترک کروا کر ٹسٹ ٹیوب پہ گزارا کرنے پر مجبور اور بالآخر مقہور کر دیا۔ اسی قیادت کے نشہ نے مولوی محمد حنیف صاحب قریشی کو بے وزن و حقیر کر دیا۔ غرضیکہ قیادت، حب جاہ اور حب مال کا یہ سفر اپنے اندر ہزار داستانیں رکھتا ہے۔ آج قدرت کے دست غیبی نے ان تمام حضرات کو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی دہلیز پر لا کھڑا کر کے ایسے ناک آوٹ کر دیا کہ اپنے حلقہ میں طاؤس وہما کہلائے جانے والے یہ حضرات اب کرگس و"نرگس"بن کر رہ گئے ہیں۔

مولانا محمد حنیف قریشی کے متعلق بندہ کسی دور میں بھی خوش فہمی کا شکار نہیں رہا۔ اگرچہ دو سال پہلے انہوں نے ازخود مجھ سے رابطہ فرما کر ذرہ نوازی کی تھی اور کہا تھا کہ میں نے آپ کی کتاب "دفاع سیدنا حضرت حسین" ایک دوست کے ہاں دیکھی تو آپ سے رابطے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ بندہ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ مگر باوجودیکہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات سے متعلق ان کے خیالات ظاہر نہ ہوئے تھے، بندہ کو ان سے رہ ورسم رکھنے یا علمی تبادلہ خیال کرنے میں بالکل انشراح نہ ہوا۔ مکمل انقباض کی کیفیت رہی۔ یہاں تک کہ ان کے بعض طلبہ بندہ سے رابطہ میں رہتے ہیں۔ مگر پہلے شک کی وجہ سے اور اب حقیقت احوال منکشف ہو جانے کی بنا پر کبھی علیک سلیک کا شوق پیدا نہیں ہوا۔

قریشی صاحب کو خراب کرنے والے پیر عبد القادر گیلانی ہیں جو ٹنچ بھاٹہ راولپنڈی کے باسی اور اب مدت سے انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ پیر صاحب موصوف تفضیلیت کے علمبردار ہیں، خود بھی اور اپنے چند معتقدین سے اس موضوع پہ کچھ نہ کچھ لکھواتے چھپواتے رہتے ہیں۔ پیر گیلانی صاحب کی بے فیض صحبت نے قریشی صاحب کو تفضیلی بنایا تھا۔ اگلی سپیڈ انہوں نے خود پکڑلی یعنی محض تفضیلیت سے انکا معدہ جب بھر نہ سکا تو اب

وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شوخیانہ انداز میں بد گوئیاں کرنے لگے۔ جس کا برا نتیجہ انہوں نے عرس شریف کے موقع پر بھگت لیا ہے۔

اللہ کرے کہ یہ سب حضرات توبہ و رجوع کے ذریعے آخرت کے مواخذہ سے اپنی جان بخشی کروالیں۔ متذکرہ حضرات میں سے جتنے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں سامنے آئے ہیں، ہم نے اختصار کے ساتھ ان کی مخالفت کے علل پر اپنی رائے پیش کر دی ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنے باپ کے قبیح مشن کو آگے چلاتے ہوئے اہانت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مرتکب ہوا، دوسرے صاحب وہ ہیں جو اپنے مدرسہ کے ایک شاگرد کی مخالفت میں دشمن حضرت معاویہ رض کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے اور ان کی ساداتی چھانجر چھنک پڑی تو اپنی دہمک سے دھاوا بولنا چاہا۔ لیکن ظاہر ہے جو کام صحابی نبی کی عداوت کی بنیاد پر ہو اس میں خیر کیسے ہو سکتی تھی؟ نیز ان میں ایک وہ ہیں جو **تفضیلیت** کی راہ سے اہانت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک جا پہنچے۔ کیوں کہ شیعہ جب **تفضیلیت** ظاہر کرتا ہے تو حضرات خلفاء ثلاثہ کی توہین کرتا ہے اور جب کوئی سنی کہلانے والا اس دشت کی نوردی کرتا ہے تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کر کے اپنی عاقبت اجاڑتا ہے۔

ان سب میں قدر مشترک بغض، حسد، عناد، اور جاہ ومال بٹورنے کی چھینا چھپٹی ہے۔ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے ماضی میں کبھی فسق یزید پر بحثیں کی ہوں۔ اور اب وہ یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے مرتکب ہوئے ہوں، بجائے اس کے کہ اسے شیعیت کے زہر کا اثر قرار دیا جائے، بیچ میں بلاوجہ یزید کو لا کھڑا کرنا فتنوں کی دھکتی آگ میں تیل ڈال کر ایک نیا فتنہ پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ یہ فلسفہ محمود احمد عباسی اور حکیم فیض عالم صدیقی کا ہے، اہل سنت کا نہیں۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مخالف یزید کو فاسق کہنے کی راہ سے اس بدبختی پر اترا ہے تو پھر خلفائے ثلاثہ کی ذریت میں تو اس کردار ونام کا کوئی شخص نہیں، تو ان کو مطعون کیوں کیا جاتا ہے؟ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ پر جو اتہامات لگائے جاتے ہیں ان کا سبب بھی یزید نہیں ہے۔ یزید آل رسول صلی اللہ کا قاتل ہے، قاتلوں کا سرپرست ہے۔ حضرت مسلم بن عقیل سے لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہما تک اور عبد اللہ بن مطیع کو ان کے سات بیٹوں سمیت شہید کرنے سے لے کر

حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کو واقعہ حرہ میں آٹھ بیٹوں سمیت قتل کرنے تک، مسلم بن عقبہ جیسے خبطی بڈھے کو کمانڈر منتخب کرنے کے بعد چھ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتماعی بد دعاؤں سے لے کر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی مکۃ المکرمہ میں لٹکتی لاش تک کہیں بلاواسطہ اور کہیں بالواسطہ یزید کی کارستانیاں شامل ہیں، تو ایسے میں یزید و معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہم مقصد و ہم جنس سمجھنا اور جلیل القدر صحابی سے عداوت کا سبب محض یزید سے نفرت قرار دینا تاریخ ہی نہیں، حالات حاضرہ سے کھلی بے خبری کے مترادف ہے۔

یہاں ہم بریلی مکتب فکر کے ان علمائے کرام کو اختلاف مسلک کے باوجود داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالہ اب کافی حد تک بیدار ہو چکے ہیں۔ کیوں کہ شرور سے بہر کیف خیر کے چشمے بھی بہہ پڑتے ہیں۔ چناں چہ چند ایک علماء نے جب غیر زمہ داری کا مظاہرہ کیا تو باقی علمائے کرام سر بکف میدان عمل میں کود پڑے، ان علمائے کرام کو خراج محبت نہ دینا ناانصافی ہو گی، مگر اس دعوت کے ساتھ کہ اولیاء اللہ کی بے ادبی انسان کو صحابہ کرام کی بے ادبی کی دہلیز پر پہنچا کر وہی حشر بپا کروا دیتی ہے جس کا نظارہ 19 صفر المظفر 1443ھ کے سالانہ عرس میں ایک دنیا نے دیکھا اور شائد جدید زرائع ابلاغ رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کو یہ عبرتناک مناظر دکھاتے رہیں۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار" ہم نے یہ سطور خدانخواستہ کسی طبقہ یا فرد کی رنجیدگی طبع کے لئے نہیں لکھیں۔ ایک تازہ واقعہ کے متعلق کچھ مشاہدات ، بنیادی وجوہات اور ازالہ مغالطات دعوتی جذبہ سے پیش کیے ہیں۔ اگر آپ کو بعض مندرجات سے اختلاف ہو تو ہم پورے اظہار تشکر کے ساتھ اختلافی نقطہ نظر کی قدر کریں گے۔ نیز اگر مروجہ میڈیائی راڈ کی تپش سے کوئی دوست اظہار نفرت کرے تو ہم اس کا بھی ڈبل شکریہ ادا کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں خیر و سلامتی کی دعا کریں گے۔

اللہ تعالی ہم سب کو منصب ختم نبوت، مقامات صحابہ کرام و اہل بیت عطام اور اولیاء اللہ کی عظمتوں کا بھرپور لحاظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ عصر حاضر کے فتنوں سے بچاتے ہوئے اہل سنت والجماعت کو اتحاد و یگانگت کے ساتھ خدمات دین متین کی توفیقات وافرہ سے بہرہ ور فرمائے۔ اللھم آمین۔

(بتاریخ 2، اکتوبر 2021ء۔ 24 صفر المظفر 1443ھ۔ ملتان روڈ لاہور)

رافضی علماء اور گوبریلے کیڑے

جب سے پاکستان کی قومی اسمبلی میں تحفظ ناموس صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا بل پاس ہو کر عوامی بحثوں کا موضوع بنا ہے تب سے ملک بھر کے امامی علماء کی دُم پر ایسا پاؤں آیا ہے کہ ان کی چاؤں چاؤں نے ان کا مذہبی ماحول سوگوار بنا رکھا ہے جناب ساجد نقوی اور جناب آغا جواد نقوی سے لے کر امین شہیدی اور جناب سبطین سبزواری تک کلُ کے کلُ رافضی علماء و مجتہدین اور مدرسین و ذاکرین کی بد بختی اور سوء استعداد نے ایک تباہی پھیلا رکھی ہے۔ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیٹ بھر بھر کر گالیاں بکنے والے ان ہیکڑ مجرموں کی بک بَک اور جھک جھک نے اب ایک عام مسلمان کو بھی اس نتیجے تک پہنچا دیا ہے کہ رافضی لوگ اپنی ماں کی ماتما سے منہ موڑ سکتے ہیں مگر تبرّے کی لت اور عادت بد سے سرِ مو انحراف بھی ان کے لئے موت ہے۔ ناموس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تحفظ کا یہ بل آگے چل کر سینیٹ میں بھی پاس ہوتا ہے یا اسے کمیٹیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر وقتی اور مروّجہ سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے؟ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا اور وہ وقت کوئی زیادہ دور نہیں ہے بس آیا ہی چاہتا ہے۔ مگر اتنی سی بات تو ابھی سے ہی واضح ہو چکی ہے کہ روافض کے عبرت ناک کھنڈرات سے اگر کبھی زندگی کی سانس سنائی دی جا سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف تبرے سے ہی ممکن ہے۔

یاد آیا کہ دیہاتوں میں ایک گول مٹول سا کیڑا پایا جاتا ہے جسے گوبریلا کہا جاتا ہے اور مقامی زبانوں میں اسے گونگٹ یا سِں وغیرہ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس گوبریلے کی کلُ کی کلُ متاع حیات گائے اور بھینسوں کا گوبر ہوتا ہے۔ بعینہٖ جیسے رافضی علماء کا من بھاتا کھاجا پاکان امت کی توہین و گستاخی ہے۔ چنانچہ یہ گوبریلا کیڑا بھینسوں کے گوبر کا ایک گوبر رول بناتا ہے۔ یہ اس فن میں یکتا اور کمال مہارت کا حامل ہوتا ہے بعینہٖ جیسے جناب امین شہیدی فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام سے اظہار برات تشیع کا بنیادی نظریہ ہے۔ تو یہ گوبریلا کیڑا گوبر کا رول بنا کے اسے اپنی لمبی اور پتلی پتلی سی اگلی ٹانگوں کے ساتھ دھکیلنا شروع کر دیتا ہے اور پھر اپنا پورا دن

اسی مشغلہ میں گزار دیتا ہے۔ اس دوران اگر کوئی بھلے مانس آدمی گوبر کا وہ رول چھین کر گوبریلے کیڑے کو مست ہواؤں اور معطر و پاکیزہ ماحول سے آراستہ کسی چمن میں جا کے چھوڑ دے تو وہاں اسے اپنا سانس بحال رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ تڑپ تڑپ کر احتجاج کرتا ہے کہ گوبر ہی میری زندگی ہے۔ مجھے اسی بدبودار اور تعفن زدہ ماحول میں جینے کا حق دیا جائے۔ اگر تو اسے دوبارہ متعفن فضا نصیب ہو جائے تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ اور یہ پہلی فرصت میں پھر اسی گوبر کا رول سا بنا کر ڈھولک بجانا شروع کر دیتا ہے۔ بہ صورت دیگر یہ سسک سسک کر مر جاتا ہے۔ کیونکہ بدبو اس کے خمیر میں رچ بس جاتی ہے اور گندگی اس کی فطرت ثانیہ قرار پاتی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم رافضیوں کے حالیہ واویلا کو کبھی ہمہ قسمی کتوں سے اور کبھی اس گوبریلے کیڑے کی مماثلت سے پیش کرتے ہیں مگر جب امامی علماء خود اپنی مذہبی فطرت اسی روپ میں پیش کر کے تفاخر محسوس کر رہے ہیں تو ہم بھی ان کی عزت افزائی کا حق اسی لب و لہجہ میں ادا کرنے کو برابری سمجھتے ہیں۔

آج علی الصبح حسب دستور زندگی مختلف تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے اچانک مولانا محمد اکرم اعوان مرحوم کی دو تفسیریں سامنے آ گئیں۔ ایک اسرار التنزیل اور دوسری اکرم التفاسیر۔ اکرم التفاسیر میں ایک مقام پہ مولانا مرحوم نے جو کچھ لکھا وہ بغتۃ یعنی بالکل اچانک نگاہوں کے سامنے صفحہ کھل گیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "کفر ایک ہی قوم اور ایک ہی ملت ہے کوئی چھوٹا کافر ہے اور کوئی بڑا کافر ہے کوئی سفید کافر ہے اور کوئی سیاہ کافر ہے جیسے کتوں کے رنگ اور ان کی مختلف نسلیں ہوتی ہیں لیکن ہوتے سارے کتے ہی ہیں کوئی کچھ کرتا ہے اور کوئی کچھ! کسی کا رنگ کچھ ہے اور کسی کا کچھ! لیکن کتوں کے کتا ہونے میں شک نہیں ہے اسی طرح ہر طرح کا کفر ایک ہے دنیا میں دو ہی قومیں ہیں حق ماننے والے اور حق کا انکار کرنے والے۔"

ہم ایک مدت سے اپنے بہی خواہوں کی خدمت میں گزارش کرتے آ رہے ہیں کہ رافضی رافضی ہی ہوتا ہے۔ خواہ پڑھا لکھا ہو خواہ ان پڑھ۔ کوئی مرجع ہو یا مقلد و راجع۔ کوئی فاضل ہو یا محض ذاکر۔ کوئی جوان ہو یا پیر فرتوت۔ گورا ہو خواہ کالا، عربی ہو یا عجمی و ایرانی۔ ایک بات ان سب میں قدر مشترک ہے کہ یہ نبی علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم پر کھلے عام تبرّا کرتے ہیں۔اسے اپنا مذہبی حق گردانتے ہیں۔اس کے خلاف کسی قسم کے شرعی اور ملکیی قانون کو ایک لمحے کے لئے بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ان کے اس عمل سے بھلے کروڑوں اہل سنت عوام کے دینی جذبات مجروح ہوں یا فرقہ واریت کی آگ بھڑکے لیکن اہل تشیع اس پہ سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔کیونکہ گوبریلے کیڑے کا گندگی کے ماحول سے نکلنا اس کی موت ہے تو رافضی علماء و عوام کا تبرّے سے دور رہنا ان کی مذہبی موت ہے۔اس لئے ان کے گھروں کے دالان، کوٹھوں کے چھجے، اناج کے مٹکے، پانی کے گھڑے حتیٰ کہ مرغیوں کے دڑبے تک بھی آپ چھان ماریں تو وہاں سے تبرے ہی کی بُو آئے گی۔اس لئے جناب سبطین سبزواری صاحب سے اوپر جناب ساجد نقوی تک سب کے سب کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں کہ اگر یہ تحفظ ناموس صحابہ و اہل بیت کا بل پاس ہو گیا تو یہ ہمیں بغیر سنکھیا سنگھائے موت کی وادی میں دھکیل دینے کے مترادف ہو گا۔اور اس دعویٰ میں یہ لوگ بالکل سچے ہیں۔کیونکہ گوبریلا کتنے ہی گوریلے وار کرے آخر اس نے گندگی میں جانا ہوتا ہے کہ یہی اس کی زندگی ہے۔تاہم معاصر رافضی زعماء سے ہم اتنا سوال ضرور کریں گے کہ دور حاضر کے نواصب اور خوارج بھی میدان عمل میں اتر کر اگر ایسا دعویٰ لے بیٹھیں کہ حضرات اہل بیت کی توہین و گستاخی ہمارے نظریات کا حصہ ہے۔اور ہم تاریخی روایات سے کنارہ کش نہیں رہ سکتے۔لہذا توہین کی وضاحت ہونی چاہیے اور ہماری ناصبی افکار پہ مشتمل کتابوں اور تقریروں کی کھلے عام تشہیر پہ کوئی قدغن نہیں ہونا چاہیے تو ان کے اس ممکنہ خیال پر سبزواری، امین شہیدی یا دیگر ماتمی حضرات کا کیا ردعمل ہو گا؟ہم جواب کے منتظر ہیں۔کیونکہ ہمارے یہ مضامین شیعہ حضرات بھی نظر نواز کرتے ہیں اور نصف درجن کے لگ بھگ تو بندہ سے وٹس ایپ پہ اظہار خیال بھی کرتے ہیں جن میں سے ایک امامی فقہ کے عالم اور دوسرے جوان ذاکر بھی ہیں۔ہم بطور خاص ان کے جوابی خیالات کا انتظار کر رہے ہیں۔والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(لاہور، 3 فروری 2023ء بمطابق 11 رجب المرجب 1444ھ جمعۃ المبارک)